تبلیغ و اشاعت ۳۴ | بار اوّل ۳۰۰۰

الحج المبرور

(مقبول حج)

از افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہٗ

حاشیہ :- مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبہ نشر و اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

فون پرانی انارکلی ۷۳۵۳۷۲۸ | فون کامران بلاک ۴۴۸۰۶۰ ۵۴۱۴۳۸۶

ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ | اپریل ۱۹۹۵ء

جمیل الفتاویٰ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے فتاویٰ

ادارہ اشرف التحقیق میں فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی قدس سرہ کے فتاویٰ ورسائل اور سوانح عمری کی ترتیب کا کام شروع ہے عنقریب جلد اول ھدیۂ ناظرین کی جائے گی۔ احباب سے استدعا ہے کہ اگر کسی صاحب کے پاس حضرت کا کوئی فتویٰ یا مضمون یا کوئی بھی تحریر ہو تو وہ اسکی فوٹو کاپی ارسال فرماکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

فوٹو کاپی کا خرچ اگر لینا چاہیں تو تحریر فرمادیں انشاء اللہ ارسال کردیا جائے گا۔

آپ کے تعاون کا متمنی

خلیل احمد تھانوی بن حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ

دارالافتاء۔ دارالعلوم الاسلامیہ ۲۹۱۔ کامران بلاک

علامہ اقبال ٹاؤن لاہور۔ فون نمبر ۴۴۳۸۰۶۰

الحج المبرور

اصلاح حجاج کے سلسلہ میں "الحج المبرور" سے موسوم یہ وعظ بمبئ میں حکیم اجمیری صاحبؒ کے مکان پر ۱۱ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ کو رات کے وقت ہوا۔ جو دو گھنٹہ تک جاری رہا حضرتؒ نے بیٹھ کر بیان فرمایا۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نوراللہ مرقدہ نے اسے قلمبند فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۲۵ تھی ---- اور مستورات زیادہ تھیں۔

□□□□

وعظ

الحج المبرور (۱)

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ با للہ من شرور انفسنا و من سیئا ت اعما لنا من یھد ہ اللہ فلا مضل لہ و من یضلل فلا ھادی لہ و نشھد ا ن لاا لہ الا ا للہ وحد ہ لا شریک لہ و نشھد ان سید نا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ و علٰی آلہ وا صحا بہ و با رک وسلم

اما بعد :

فاعوذ با للہ من الشیطٰن الرجیم○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○
قل ا نی ا مرت ان اعبد اللہ مخلصاً لہ ا لدین○ (۲)

تمہید :

یہ ایک چھوٹی سی آیت ہے جس میں حق تعالٰی نے ایک بڑے ضروری امر (۳) کا امر (۴) فرمایا ہے اور یہ قرآن شریف کا خاص حصہ ہے کہ تھوڑے سے الفاظ میں مقصود کا ہر پہلو بیان ہوجاتا ہے۔ اخلاص کے بارے میں جتنی باتیں بیان کرنا ضروری تھیں وہ سب ان تھوڑے سے لفظوں میں بیان ہوگئی ہیں۔ اگر ان کی تفصیل بیان کی جائے تو اس کے لئے وسیع وقت کی ضرورت ہے اور وعظ کا وقت مستورات کی مصلحت سے رات کا رکھا گیا ہے اس لئے وقت میں زیادہ گنجائش نہیں۔ کیونکہ رات کے وقت دیر تک بیان ہونے سے سننے والے گھبرا جاتے ہیں۔ بعض پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے تو اونگھنے لگتے ہیں جس سے بیان کرنے والے کی طبیعت منقبض ہوجاتی ہے (۵) اس لئے میں اسکا خلاصہ عرض کئے دیتا ہوں جو ان شاء اللہ تھوڑے وقت میں بیان ہوجائے گا۔

---

(۱) مقبول (۲) پس میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے۔ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو منجانب اللہ حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی اسطرح عبادت کروں کہ عبادت کو اس کے لئے خالص رکھوں۔ الزمر: آیت ۱۱
(۳) کام (۴) حکم (۵) رک جاتی ہے

اس آیت میں جس خاص ضروری بات کا امر (۱) ہے وہ اخلاص ہے۔ یوں تو اس کی ضرورت ہر وقت ہے اور ہر کام میں ہے۔ اخلاص کے بدون (۲) کوئی دین کا کام مقبول نہیں ہوتا۔ مگر اس وقت جس خاص کام کے لئے اخلاص کی ضرورت مجھ کو بیان کرنا ہے اس کے لئے ایک خاص محرک (۳) موجود ہے وہ یہ کہ سامعین کو معلوم ہے کہ اس وقت ان میں سے بہت سے حضرات کا حج کا ارادہ ہے جن میں مرد بھی ہیں اور مستورات بھی ہیں اور مجھے بھی بمبئی تک انہی کے پہنچانے کے لئے آنا پڑا ہے۔ اگرچہ میرے مشاغل اس قدر ہیں کہ مجھ کو اس سفر کے لئے مہلت نہ مل سکتی تھی مگر محض اس خیال سے یہاں تک چلا آیا کہ مجھے اگر حج کی توفیق دوبارہ نہیں ہوئی تو کم از کم حجاج کی خدمت اور راحت رسانی (۴) ہی کا کچھ ثواب لے لوں۔ اگرچہ میں کسی کی کچھ خدمت بھی نہیں کر سکتا مگر غالباً" میرے بمبئی تک ساتھ ہونے سے میرے رفیقوں کو بہت کچھ سہولتیں اس سفر میں ہو گئی ہوں گی اور اگر سب کو نہیں تو خاص میرے متعلقین کو تو قوت اور انس ضرور رہا ہو گا۔

اور یہ عجیب بات ہے کہ میرے یہاں تک آنے سے مشہور یہی ہو گیا کہ میں حج کو جا رہا ہوں۔ خیر یہ بھی ایک نیک فال ہے ان شاء اللہ مجھے حجاج کی معیت (۵) میں حج ہی کا ثواب مل جائے گا کیونکہ حدیث میں ہے الدال علیٰ الخیر کفاعلہ کہ نیک کام کا راستہ بتانے والا بھی ثواب میں کرنے والے کے برابر ہے تو جب صرف دلالت کا ثواب کرنے کے مثل ہے تو اس مشقت کا ثواب کہ میں گھر سے بمبئی تک حجاج کی مصلحت سے ان کے ساتھ آیا یہ بھی ان شاء اللہ حج کے برابر ہی ہو جائے گا۔

پھر میں اس وقت حج کے کامل اور مقبول ہونے کا طریقہ بتلانا چاہتا ہوں۔ اگر اس بیان سے کسی کو نفع ہو گیا تو دلالت علی الخیر (۶) بھی پائی گئی۔ جس کا ذکر حدیث میں صراحتاً" موجود ہے۔ بہرحال بعض رفقاء کا ارادۂ حج اس بات کا محرک ہوا کہ حج کے متعلق کچھ ضروری تنبیہات گوش گزار کر دی جائیں (۷) تاکہ جس امر کا انہوں نے خدا کی توفیق سے ارادہ کیا

---

(۱) حکم (۲) بغیر (۳) داعی، تحریک اور توجہ دلانے کا باعث (۴) راحت پہنچانے
(۵) ساتھ ہونے (۶) نیک کام پر رہنمائی (۷) کان میں ڈال دی جائے

ہے اس کو آداب و شرائط کے ساتھ ادا کریں کیونکہ ہر چیز اپنے آداب و شرائط کے ساتھ ہی کامل ہوا کرتی ہے۔

قاعدہ عقلیہ:

چنانچہ ایک ایسے ہی امر کی طرف اس آیت میں تنبیہہ کی گئی ہے جس کو میں نے اس وقت تلاوت کیا ہے اور وہ امر جس کی طرف اس آیت میں تنبیہہ ہے بہت ہی زیادہ ضروری ہے کیونکہ یہ ایک قاعدہ مسلمہ (۱) عقلیہ ہے کہ ہر فعل میں جس چیز کی کمی ہوا کرتی ہے اسی کا تدارک (۲) دوسرے محسنات (۳) سے مقدم ہوتا ہے یعنی اگر ایک کام میں کمی نہ ہو گو زوائد بھی اس میں نہ ہوں وہ تو مقصود کے لئے کافی ہے اور جس کام میں اصل ہی سے کمی ہو گو محسنات بھی اس میں ہوں وہ ناکافی ہوتا ہے پس ہر کام کی تکمیل کا قاعدہ یہ ہے کہ پہلے ان کوتاہیوں کو پورا کیا جائے جن پر اس کی صحت اور مقبولیت موقوف ہے پھر اگر خدا ہمت دے تو ان مستحبات اور نوافل اور زوائد کو بھی پورا کیا جائے۔ جن سے اسکا حسن دوبالا ہو جاتا ہے اور اگر نوافل و زوائد کو پورا بھی نہ کیا جائے تو حسن اصلی تو جب بھی رہے گا اور کوتاہیوں کے ہوتے ہوئے کسی کام میں حسن پیدا نہیں ہو سکتا۔

دیکھئے! اگر ایک مکان میں تمام ضروریات موجود ہوں کسی معتبر چیز کی کمی نہ ہو مگر استرکاری اور بیل بوٹے نہ ہوں تو اس مکان کو ناقص نہ کہا جائے گا اور اگر اس میں باورچی خانہ یا غسل خانہ یا اور کوئی ضروری چیز نہ ہو تو چاہے اس میں ہزار بیل بوٹے ہوں اس کو یقیناً" ناقص کہا جائے گا اور سب یہی کہیں گے کہ یہ مکان رہنے کے قابل نہیں۔ اسی طرح ہر چیز میں غور کر لیا جائے تو اس عقلی قاعدہ کی تائید ہر چیز میں ملے گی کہ اول ہر چیز کے نقصانات اور کوتاہیو کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے محسنات اور زوائد کا مرتبہ بعد میں ہے۔ اس لئے میں نے اس آیت کے مضمون کو زیادہ ضروری قرار دیا۔ کیونکہ اس میں ایک ایسی چیز کا بیان ہے جس پر ہر نیک عمل کا درست اور مقبول ہونا موقوف ہے اور اس میں آج کل بہت کمی کی جاتی ہے اور وہ اخلاص ہے۔

---

(۱) جسے تسلیم کیا گیا ہو (۲) روک تھام (۳) زیب و زینت' اچھی باتیں

حج میں اخلاص کی زیادہ ضرورت:

اگرچہ اخلاص کی کمی ہمارے اکثر اعمال میں آج کل ہے اس لئے بظاہر حج کی کوئی خصوصیت معلوم نہ ہوئی ہوگی۔ مگر میں ابھی بتلا دوں گا کہ اخلاص کی ضرورت حج میں زیادہ ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ حج کی ایک خاص شان ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اکثر اخلاص سے خالی ہو جاتا ہے اور یہ ہمارے سوء فہم (۱) کا نتیجہ ہے کہ اس کی وہ خاص شان اسکو مقتضی ہوگئی (۲) کہ اس میں اخلاص کم ہوتا ہے ورنہ اس شان کا اصلی مقتضا (۳) یہ تھا کہ اس میں دوسرے اعمال سے زیادہ اخلاص کا اہتمام کیا جاتا۔

حج کی ایک شان یہ ہے کہ وہ ساری عمر میں ایک بار فرض ہوتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو کام بار بار ہوتا ہے اس میں اگر پہلی بار اخلاص نہ ہو تو آہستہ آہستہ پیدا ہو جاتا ہے۔ نماز دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے اگر کسی کو اول روز اخلاص نصیب نہ بھی ہو تو وہ کوشش کر کے دو چار روز یا دو چار ہفتوں میں اخلاص حاصل کر سکتا ہے۔ روزہ میں اتنا تکرار تو نہیں مگر ہر سال رکھنا پڑتا ہے۔ اسی طرح زکوۃ ہے۔ اگر کوئی شخص تمنا کے ساتھ بلوغ کے بعد پچاس سال کی عمر پائے تو پچاس مرتبہ زکوۃ فرض ہوگی۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ دوسرے اعمال میں اخلاص کا پیدا ہونا آہستہ آہستہ ممکن ہے۔ اگر پہلی بار نہ ہو۔ دوسری تیسری بار میں ہو جائے گا۔

درجات اخلاص:

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اخلاص کے وجوداً وعدماً (۴) تین درجے ہیں یہ ایک فعل (۵) کے وقت غایت صحیحہ (۶) کا قصد ہو یہ تو غایت اخلاص ہے اور یہی مقصود اور مرتبہ کمال کا ہے دوسرے یہ کہ غایت فاسدہ (۷) کا قصد (۸) ہو یہ بالکل اخلاص کے خلاف ہے۔ ایک یہ کہ کچھ بھی قصد نہ ہو نہ غایت صحیحہ کا نہ غایت فاسدہ کا بلکہ یونہی معمول کے موافق ایک کام کر لیا یہ درجہ بین بین (۹) ہے اسکو اخلاص سے اتنا بعد (۱۰) نہیں جتنا دوسرے درجہ کو بعد ہے۔

---

(۱) کم سمجھی (۲) تقاضا کرنے لگی (۳) تقاضا (۴) ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے (۵) کام (۶) صحیح بات (۷) غلط بات کا ارادہ (۸) ارادہ (۹) درمیان کا (۱۰) دوری

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک صورت تو یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں اور قصد یہ ہو کہ محض خدا تعالیٰ ہم سے راضی ہوں گے اس کے سوا اور کچھ نیت نہ ہو یہ تو اخلاص کا درجہ کمال ہے ایک یہ صورت ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے کسی دوسرے شخص کو دکھانے کا خیال ہو کہ فلاں شخص ہمارے خشوع خضوع کو دیکھ کر ہمارا معتقد ہو جائے گا یہ بالکل اخلاص کے خلاف ہے۔ ایک یہ صورت ہے کہ ہم معمول کے موافق نماز پڑھ لیں۔ نہ وہ خیال دل میں ہو نہ یہ خیال ہو۔ یہ مرتبہ بین بین ہے۔ یہ اگر اخلاص کا درجہ کمل نہیں تو اخلاص کے زیادہ منافی (۱) بھی نہیں۔ اسکو اخلاص سے قرب ضرور ہے مگر ظاہر ہے کہ فعل اختیاری (۲) فاعل مختار سے بدوں (۳) کسی غرض کے تصور کے نہیں ہو سکتا۔ تو اس کی کیا وجہ کہ بعض دفعہ ہم ایک فعل کرتے ہیں اور نیت کچھ نہیں ہوتی۔ یہ محض عادت کی برکت ہے۔ جب کسی کام کی عادت ہو جاتی ہے تو وہ خود بخود صادر ہونے لگتا ہے اس کے لئے اب بار بار ارادہ اور عزم نہیں کرنا پڑتا۔ یہ مطلب نہیں کہ نماز کی نیت بھی نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی غایت پر نظر نہیں ہوتی۔

تکرار کی وجہ سے عادت ہوگئی ہے اور عادت کے بعد غایات (۴) کالحاظ نہیں ہوا کرتا۔ پس معلوم ہوا کہ جس کام میں تکرار ہو اس میں اخلاص سے من وجہ (۵) قرب ہے اور جس میں تکرار نہ ہو اس میں اخلاص اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ غایت صحیحہ (۶) کا تصور اور اس کا قصد نہ ہو۔

اسی وجہ سے حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ریاء ہمیشہ ریاء نہیں رہا کرتی کیونکہ ریاء کرتے کرتے پھر اس کام کی عادت پڑ جاتی ہے اور جس کی عادت ہو جاتی ہے اس میں پھر کوئی خیال نہیں آیا کرتا پھر وہ اخلاص سے قریب ہو جاتا ہے۔

اب حج کو دیکھئے تو اس میں تکرار بالکل نہیں یعنی فرض کے اعتبار سے گو نفل کے اعتبار سے کوئی کتنا ہی کرے مگر یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ حج ساری عمر میں فرض صرف ایک ہی بار ہے تو اس میں جب تک غایت صحیحہ کا تصور اور قصد نہ کیا جائے گا۔

---

(۱) خلاف (۲) اختیاری کام (۳) بغیر (۴) مقصود (۵) ایک اعتبار سے (۶) صحیح مقصود

اس میں اخلاص نہیں پیدا ہوگا۔ کیونکہ اس میں تکرار نہیں اور تکرار کی وجہ سے عادت بھی نہیں اور عادت نہ ہونے کی وجہ سے اس احتمال کی بھی نوبت نہیں آتی کہ بالکل خالی الذہن ہو کر حج کیا جائے۔ بس اس میں دو ہی صورتیں ہیں یا تو غایت صحیحہ (۱) کا قصد ہوگا یا غایت فاسدہ (۲) کا۔ اس لئے اس میں اخلاص کے اہتمام کی دوسری عبادات سے زیادہ ضرورت ہے یہی اس وقت مجھ کو بیان کرنا ہے کہ یوں تو ہر عبادت کے لئے اخلاص کی ضرورت ہے مگر حج کے لئے خصوصاً" اخلاص کی بہت ضرورت ہے کہ ساری عمر میں ایک بار اس کے ادا کرنے کا موقع ملتا ہے پھر نہ معلوم کسی کی قسمت میں دوبارہ بھی ہے یا نہیں۔ تو ایسی عبادت میں بہت زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔ اگر خدانخواستہ اس میں کوتاہی رہ گئی تو بڑی ناکامی ہوگی۔ اول تو حج کرنا دوسری عبادات کی طرح آسان نہیں۔ جانی اور مالی دونوں قسم کی مشقتیں اس میں برداشت کرنی پڑتی ہیں دوسرے بار بار اس کی توفیق اور ہمت ہونا بھی محتمل (۴) ہے۔ اگر ایسی حالت میں یہ ساری محنت اخلاص سے خالی ہوئی تو نیکی برباد اور گناہ لازم ہوا۔ پھر روپیہ الگ ضائع ہوا۔ اس سے زیادہ ناکامی اور کیا ہوگی۔

عظمت اخلاص :

اللہ نے آیت میں بہت اہتمام سے اخلاص کا امر فرمایا ہے قل انی امرت ان اعبد اللہ مخلصا لہ الدین ○ فرما دیجئے کہ مجھ کو امر کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت اسی کے لئے خالص کرکے بجالاؤں۔ (۵)

یہ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ ہر حکم کو ضروری ظاہر فرماتے تھے۔ آپ رسول تھے اور رسول کا فرض منصبی ہے کہ تمام احکام کو مخلوق کی طرف پہنچائے۔ لہٰذا اس کی ضرورت نہ تھی کہ حق تعالیٰ خاص طور پر کسی حکم کے لئے یہ فرمائیں کہ اسکو پہنچادو مگر پھر بھی جب کسی حکم کے لئے آپ کو ارشاد ہوگا کہ اس حکم کو پہنچادو۔ تو ضرور اس سے اس حکم کا مہتم بالشان (۶) ہونا سمجھا جائے گا۔ چنانچہ یہاں اخلاص کا امر فرماتے ہوئے حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کو لفظ قل سے خطاب فرمایا ہے کہ یہ بات امت

---

(۱) صحیح بات (۲) غلط بات (۳) مشکلیں (۴) مشکوک (۵) الزمر آیت ۱۱ (۶) بڑی شان والا

سے کہ دیجئے ۔ ایک تو یہی قرینہ (۱) ہے کہ آئندہ جو حکم آئے گا وہ بہت قابل اہتمام ہے۔ پھر اس کے بعد اخلصوا نہیں فرمایا کہ لوگوں سے کہہ دو کہ اخلاص کیا کریں بلکہ اس کے بجائے امرت ان اعبد اللّٰہ فرمایا کہ یوں کہہ دو کہ مجھ کو اخلاص کا حکم کیا گیا ہے اس جملہ سے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مامور بالاخلاص (۲) ہونا ظاہر فرمایا گیا جس امر کا محبوب بھی مامور(۳) ہو وہ کیسا امر ہوگا۔ بہت ہی مہتم بالشان(۴) اور ضروری ہوگا کہ رسول اور محبوب بھی اس سے مستثنیٰ (۵) نہیں۔

محبوب خدا سے خدا کا معاملہ:

دنیا والوں کا اگر کوئی محبوب ہو تو اس کو احکام سے مستثنیٰ کردیتے ہیں۔ مگر حق تعالیٰ کے یہاں یہ قاعدہ نہیں۔ حضور ﷺ سب سے زیادہ حق تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ مگر حضور ﷺ کو احکام سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ بلکہ خصوصیت اور محبوبیت اگر ظاہر ہوئی تو اس صورت میں کہ حضور ﷺ پر زیادہ احکام لازم کئے گئے۔ تہجد دوسروں پر فرض نہیں سنت ہے مگر حضور ﷺ پر ایک قول کے موافق فرض تھا اور نافلتہ لک (۶) سے استدلال کیا گیا ہے کہ یہ تہجد آپ (ﷺ) پر دوسروں سے فرض زائد ہے۔

یہاں سے ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوگئی جو اولیاء کے لئے ایک مقام ایسا مانتے ہیں جہاں احکام شرعیہ ان سے معاف ہوجاتے ہیں یہ بالکل غلط خیال ہے۔ان لوگوں نے محبوبان خدا کو محبوبان دنیا پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح دنیا والوں کے محبوب تکلیف اور احکام سے مستثنیٰ ہوجاتے ہیں اسی طرح محبوبان خدا بھی مستثنیٰ ہوجاتے ہوں گے اور یہ خبر نہیں کہ یہاں محبوب ہی وہ بنتا ہے جو آئندہ بھی دوسروں سے زیادہ احکام کا بجا لانے والا ہو۔ حق تعالیٰ کی محبت اضطراری (۷) نہیں کہ بلاوجہ کسی سے خواہ مخواہ محبت ہوجائے ان کی محبت اختیاری ہے۔ اور وہ اسی سے محبت کرتے ہیں جو ان کا زیادہ مطیع ہو۔ پس جو چیز محبت کا سبب ہے وہی اگر جاتی رہے گی تو محبوب کہاں رہے گا۔ پھر سب سے زیادہ محبوب حضور ﷺ ہیں۔ اگر محبوبان خدا احکام سے مستثنیٰ ہوا کرتے تو

---

(۱) دلیل (۲) اخلاص کا حکم کیا ہوا (۳) جس کو حکم کیا گیا ہو (۴) بڑی شان والا (۵) بری (۶) جو آپ کے لئے دوسروں سے زائد چیز ہے (اسراء : آیت ۷۰) (۷) جبری

سب سے زیادہ حضور ﷺ مستثنیٰ ہوتے مگر احادیث و اقوال علماء سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر دوسروں سے زیادہ احکام تھے اور جہاں ظاہر میں آپکے لئے رخصت ہے وہ بھی حقیقت میں عزیمت ہے وہ رخصت اس شخص کے حق میں ہے جس کو حقوق ادا کرنے کا قصد نہ ہواور جس کو حقوق ادا کرنے کا خیال ہو اور اللہ تعالیٰ سے عشق ہو اس سے پوچھئے کہ یہ کتنی بڑی مشقت ہے۔

حکمت تعدد ازواج (۱):

مثلاً" مخالفین کا اعتراض ہے کہ حضور ﷺ نے معاذ اللہ حظ نفس (۲) کے لئے تعدد ازواج کیا۔ نو بیبیوں سے نکاح کیا اور افسوس یہ کہ بعض مسلمان بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں۔ گو اعتراضا" نہیں بلکہ اپنے حظوظ نفس کی گنجائش کے لئے چنانچہ بعض لوگ چند نکاح کر کے کہتے ہیں کہ ہم نے اگر کیا تو کیا حرج ہے۔ حضور ﷺ نے بھی تو چند نکاح کئے ہیں۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حظ نفس کے لئے چند نکاح ہرگز نہیں کئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تعدد ازواج مصالح دینیہ کے سبب مشروع ہوا(۳) مثلاً" آپ کی شان تھی شارع(۴) کی کہ آپ تمام امت کے لئے احکام الٰہی بیان فرماتے تھے بعض احکام ایسے بھی ہیں جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور عورتیں خود حضور ﷺ سے بلاواسطہ دریافت کر نہ سکتی تھیں اور مردوں کے ذریعہ سے کہاں تک جزئیات کی تحقیق ہو سکتی اس لئے آپ کے لئے احکام کی اشاعت میں تعدد ازواج کی مصلحت تھی کہ دوسری عورتیں ازواج(۵) کے واسطہ سے سوال باسانی کرلیا کریں اور جو بات ان کی سمجھ میں نہ آوے اس کو ان ازواج مطہرات(۶) کے ذریعہ سے بخوبی سمجھ لیا کریں۔

اب آپ ہی انصاف کریں کہ ہزارہا مسلمان عورتوں کو احکام سمجھانے کے لئے اگر آپ (ﷺ) نو سے زیادہ بھی نکاح کرتے تب بھی کم تھا۔

---

(۱) بیویوں کی تعداد کا زیادہ ہونا (۲) نفس کی خوشی (۳) حکم کیا گیا
(۴) شریعت بیان کرنے والا (۵) بیویاں (۶) پاکیزہ بیویاں

پھر حضور ﷺ نے تعدد ازواج میں اعتدال کی تعلیم فرمائی ہے اور خود بھی عدل (۱) کے کسی دقیقہ کو نہیں چھوڑا گو بعض اقوال پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر واجب بھی نہ تھا۔ علاوہ اسکے نکاح میں دو جانبین ہیں ایک افراط (۲) اور ایک تفریط۔ (۳) افراط یہ کہ باوجود قوت کے نکاح ہی نہ کرے۔ ایک تفریط کہ ضرورت سے زیادہ کرے۔ حضور (ﷺ) نے دونوں سے منع فرمایا اور اعتدال کی تعلیم دی کہ جتنی ضرورت ہو اس سے آگے نہ بڑھے اور چار سے زیادہ کی کسی کو بھی ضرورت نہیں اور شاذ (۴) کا اعتبار نہیں اس لئے اس سے زیادہ سب کے لئے حرام ہے اب غور کیجئے کہ ایک شخص کو ایک نکاح کی ضرورت تھی اس نے ایک نکاح کرلیا یہ تو اعتدال ہے اور ایک شخص کو دو یا تین کی ضرورت ہو اور اس نے ایک پر اکتفا کرلیا تو یہ مجاہدہ ہے۔

جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب سنئے کہ حضور (ﷺ) کی بابت جو ملاحدہ کا اعتراض ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ ان کو حضور (ﷺ) کی قوت کا اندازہ نہیں۔ وہ حضور (ﷺ) کو معمولی آدمیوں جیسا سمجھتے ہیں حالانکہ عادۃ اللہ یہ جاری ہے کہ انبیاء علیہم السلام باطنی کمالات کے علاوہ ظاہری اور بشری کمالات میں بھی دوسروں سے زیادہ ہوتے ہیں چنانچہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے سو اور ہزار بیبیاں ہونا اہل کتاب میں مشہور ہے اسی طرح ہمارے حضور ﷺ بھی قوت بشریہ میں دوسروں سے بڑھے ہوئے تھے۔

حدیث میں ہے حضور کہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تیس مردوں کی اور ایک روایت

---

(۱) انصاف (۲) کم ہونا (۳) زیادہ ہونا

(۴) ایسی صورت جو عام طور پر دیکھنے میں نہیں آتی۔

میں چالیس مردوں کی قوت تھی۔ پس اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تیس یا چالیس نکاح بھی کرتے۔ تب بھی اعتدال سے کسی طرح باہر نہ ہوتے۔ کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس قدر قوت حاصل تھی پھر جب اتنی قوت پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نو بیبیوں پر اکتفا کیا تو یہ مجاہدہ ہوا یا کہ حظ نفس، بہرحال یہ صورت اعتدال سے آگے کسی طرح نہ تھی۔ بلکہ اعتدال سے گزر کر مجاہدہ میں داخل تھی۔

رعایت عدل :

پھر ضروری بات ہے کہ نو بیبیاں ہونے سے حقوق بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذمہ بڑھ گئے خواہ لزوماً"(۱) یا التزاماً"(۲)۔ کیونکہ اس میں علماء کا اختلاف بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عورتوں کی باری مقرر کرنا اور برابری وغیرہ کرنا واجب تھا۔ یا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تبرعاً" (۳) کرتے تھے بہرحال اس میں چاہے اختلاف ہو مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) برابری اور عدل کا پورا لحاظ فرماتے تھے حتیٰ کہ بیماری میں بھی ایک کی باری میں دوسرے کے گھر نہ رہتے تھے۔ البتہ مرض وفات میں جب ازواج مطہرات نے دیکھا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حضرت عائشہؓ کے دن کا بہت انتظار رہتا ہے تو سب نے رضامندی سے عرض کیا کہ بس اب آپؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے گھر میں تشریف رکھیں اور اس حالت میں ہر ایک کے گھر جانے میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کلفت پہنچتی ہے۔ اب خیال کیا جائے کہ جس شخص کو حقوق کو ادا کرنے کا اس درجہ خیال ہو اس کے لئے نو بیبیوں میں عدل کرنا بڑی سلطنت کے عدل سے بھی مشکل تر ہے کیونکہ یہاں محض ضابطہ کا تعلق نہیں کہ صرف ڈانٹ ڈپٹ سے کام لے لے۔ دونوں سے محبت کا تعلق ہے ہر ایک کی تکلیف سے دل دکھتا ہے۔

---

(۱) جو آپ پر لازم ہوں (۲) یا لازم کر لئے گئے ہوں
(۳) استحباباً" یعنی مستحب کے طور پر (۴) تکلیف

پھر شریعت کی پابندی کا مقتضاء یہ ہے کہ ظاہری برتاؤ میں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جائے ایسی حالت میں عدل کرنا بڑے مرد کا کام ہے اور حضور ﷺ عدل کی اسقدر رعایت فرماتے تھے کہ آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں کرسکتا۔ اس کے بعد بھی آپ یہ فرمایا کرتے تھے۔ اللھم ھذہ قسمتی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک۔ الٰہی یہ میری تقسیم ہے ان امور میں جو تیرے قبضہ میں ہیں۔ پس مجھ کو اس چیز میں ملامت نہ فرمائیے جو میرے اختیار سے باہر ہے یعنی قلبی محبت اور رجحان مثلاً میلان زیادہ آپ (ﷺ) کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف تھا۔ تو یہ بات اختیار سے باہر تھی۔ مگر ظاہری برتاؤ میں آپ (ﷺ) سب کے ساتھ عدل پورا فرماتے تھے۔ پس اس مشقت پر نظر کرکے وہ رخصت بھی رخصت نہ رہی بلکہ وہ بھی عزیمت تھی اب کس کا منہ ہے کہ اپنے آپ کو احکام سے مستثنیٰ سمجھے۔

اس لئے فرماتے ہیں قل انی امرت کہہ دیجئے کہ مجھ کو امر کیا گیا ہے جب حضور ﷺ کو اخلاص کا حکم کیا گیا ہے اور آپ اس کے مامور(۲) ہیں تو وہ کیسا بڑا امر(۳) ہوگیا۔

مسئلہ تصوف کا حل :

آگے فرماتے ہیں ان اعبد اللہ مخلصا لہ الدین اس میں ایک بہت بڑا مسئلہ تصوف کا حل ہوگیا ہے آجکل ایک فرقہ ہے۔ جس نے تمام شریعت کی روح نکال لی ہے اور واقعی روح ہی نکال دی اور اپنی طرف سے دین کو مردہ کر دیا۔ لیکن اللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرون (۴)خدا اپنے نور کو پورا کرکے رہے گا۔ اگرچہ بد دین لوگ ناگواری ظاہر کرتے رہیں وہ لوگ احکام و عبادات کو بیکار سمجھتے ہیں۔ نماز کا خلاصہ نکالا ہے ذکر کہ بس خدا کی دھن لگی رہنی چاہئے نماز کی کیا ضرورت ہے۔ زکوٰۃ کا خلاصہ یہ نکالا کہ ہمدردی ہونا چاہئے روپیہ غریبوں کو دینے کی ضرورت نہیں حج کا خلاصہ یہ نکالا کہ تعلقات قطع کر دینے چاہیں مکہ جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ غرض تمام عبادات میں اخلاق کو اصل سمجھا ہے اور اعمال کو بیکار کردیا۔

---

(۱) تقاضا (۲) حکم کئے ہوئے (۳) حکم (۴) الصف : آیت ۸

اس آیت میں ان کا جواب موجود ہے۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں امرت کا مفعول ان اعبد کو بنایا ہے اور مخلصا له الدین اس کا حال ہے اور حال میں اصل یہی ہے کہ عامل کی قید اور اس کے تابع ہوتا ہے۔ الابدلیل مستقل(۱) تو اخلاص کو عبادت کا تابع بنا گیا۔ معلوم ہوا کہ عبادات اصل ہیں اور احوال و کیفیات و اخلاق ان کے تابع ہیں۔ اب کسی کا کیامنہ ہے کہ احکام و عبادات کو بیکار کہے سارا قرآن اس سے بھرا پڑا ہے۔ جابجا عبادات کی تاکید اور ان کے ترک پر وعید (۲) ہے ہاں کسی کو قرآن پر ہی ایمان نہ ہو وہ جو چاہے کہے۔

حقیقت اخلاص :

اخلاص کے معنی لغت میں خالص کرنے کے ہیں اور شریعت میں بھی اس کے معنی وہی ہیں جو ورود شرع (۳) سے پہلے تھے خالص گھی وہ ہے جس میں کوئی دوسری چیز ملی ہوئی نہ ہو۔ اخلاص عبادت کے معنی بھی یہ ہوئے کہ عبادت کو غیر عبادت سے خالی کیا جائے یعنی کوئی ایسی غرض اس میں ملی ہوئی نہ ہو جس کا حاصل کرنا شرعاً" مطلوب نہیں ہے مثلا" نماز سے بزرگ مشہور ہونا زکوٰۃ دینے سے نام آوری اور حج سے حاجی کہلانا مقصود نہ ہو اور یوں کوئی نہ کوئی غرض تو ضروری ہوگی کیونکہ فاعل مختار کا فعل غرض سے خالی نہیں ہوسکتا۔ پس اخلاص کے یہ معنی نہیں کہ رضاء حق اور جنت کی بھی غرض نہ ہو۔ کیونکہ یہ غرض تو مطلوب ہے حق تعالیٰ ٰ تے ہیں و فی ذلک فلیتنا فس المتنا فسون (۴)اس میں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنا چاہئے اور اس سے پہلے جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے جن کی طرف رغبت کرنے کا امر خود قرآن میں موجود ہے۔ و فی الحدیث الھم انی اسئلک الجنته و ما قرب الیھا من قول او عمل حدیث میں ہے کہ حضور اس طرح دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں آپ سے جنت کی درخواست کرتا ہوں اور ان اقوال و اعمال کی جو جنت کی طرف نزدیک کردیں۔ معلوم ہوا کہ جنت کی درخواست کرنا سنت ہے اس لئے میں نے اخلاص کی حقیقت یہ بیان کی تھی۔

---

(۱) مگر مستقل دلیل سے (۲) دھمکی (۳) شریعت کے آنے (۴) المطففین : آیت ۲۶

کہ عبادت کے ساتھ کوئی ایسی غرض نہ ملائی جائے جس کا حاصل کرنا مطلوب نہیں اور ثواب اور جنت کا اور عذاب سے نجات کا مانگنا مطلوب ہے۔ اس لئے یہ غرض اگر عبادت میں ملی ہوئی ہو تو یہ اخلاص کے منافی(۱) نہیں۔

بعض لوگ بے دھڑک کہہ ڈالتے ہیں کہ ہم کو جنت کی پرواہ نہیں دوزخ کی پروا نہیں ان لوگوں کو جنت و دوزخ کی حقیقت معلوم نہیں ورنہ ساری شیخی رکھی رہ جاوے۔ حضور ﷺ سے زیادہ کون کامل ہوگا۔ مگر حضور (ﷺ) نے بھی جنت کی طلب کی ہے اور جہنم سے پناہ مانگی ہے۔

اور بعض اہل حال سے جو اس قسم کے اقوال منقول ہیں وہ غلبہ احوال میں ان سے صادر ہوئے ہیں یہ کوئی ان کے کمال کی دلیل نہیں حالت اکمل(۲) وہی ہے جو سنت کے موافق ہو مگر وہ حضرات بوجہ غلبہ حال کے معذور سمجھے جاتے ہیں اس وقت ان کو جنت کی طرف التفات نہ تھا ورنہ جنت ایسی چیز نہیں جس کی کسی کو پرواہ نہ ہو۔

پھر جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اصل مقصود رضائے حق ہے ہم ان سے یہ کہتے ہیں کہ رضائے حق پر نظر کرتے ہوئے جنت کی درخواست ضروری ہے کیونکہ اول تو وہ محل رضا ہے۔ جنت ہی میں حق تعالیٰ کی رضا کا ظہور ہوگا۔ جب رضا مطلوب ہے تو محل رضا بھی مطلوب ہونا چاہئے ای شئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ ہر شے اپنے لوازم کے ساتھ ثابت ہوا کرتی ہے مطلوب(۳) کے مقدمات اور وسائل بھی من وجہ(۴) مطلوب ہوئے ہیں لہٰذا رضا کے مطلوب ہونے سے بھی جنت کا مطلوب ہونا لازم آتا ہے پھر اس سے بے پروائی کے کیا معنیٰ؟

دوسرے جب حق تعالیٰ کی رضا اصل مطلوب ہے اور رضا حاصل ہوتی ہے امتثال (۵) اوامر سے یعنی احکام کی بجاآوری سے اور میں آیت قرآنی سے بتلا چکا ہوں کہ حق تعالیٰ جنت کی طرف رغبت کرنے کا امر فرماتے ہیں تو جنت کی رغبت کرتے اور اس کی درخواست کرنے سے بھی رضائے حق حاصل ہوگی کیونکہ اس میں بھی ایک حکم کا امتثال ہے

---

(۱) خلاف (۲) کامل ترین' سب سے مکمل (۳) مقصود (۴) ایک اعتبار سے (۵) بجا آوری' پورا کرنا

چنانچہ اسی امتثال حکم کی وجہ سے حضور ﷺ نے متعدد دعاؤں میں جنت کی درخواست کی ہے پس یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ عبادات میں جنت اور ثواب کی طرف التفات(۱) کرنا اخلاص کے خلاف یا کمال کے منافی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جنت حق تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ جس کے سامنے دنیا کی نعمتیں ہیچ ہیں۔ مگر ہم کو دنیا کی نعمتوں سے بھی استغناء(۲) ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے اور ان دنیوی نعمتوں کی قدر اور شکر کا حکم کیا گیا ہے تو خدا کی اتنی بڑی نعمت سے استغناء اور بے پروائی کیونکر جائز ہوگی۔ بس جن بزرگوں سے ایسی باتیں منقول ہیں کہ ہم کو جنت کی پرواہ نہیں وہ ان سے غلبہ حال میں صادر ہوئی ہیں اس وقت ان کو جنت کی طرف التفات نہ تھا۔ حضور ﷺ کی شان عبدیت تو یہ تھی کہ آپ کھانا تناول فرما کر یوں فرمایا کرتے تھے غیر مودع ولا مستغنی عنہ ربنا یعنی میں اس کھانے کو ہمیشہ کے لئے رخصت نہیں کرتا (دوسرے وقت پھر اس کا محتاج ہوں گا) اور نہ اے خدا میں اس سے مستغنی (۳) ہوں۔ پھر جنت کی نعمتوں سے کون مستغنی ہو سکتا ہے۔

یہاں سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ آجکل جو مریدوں کی عادت ہے کہ مشائخ کے سامنے جب کوئی ہدیہ پیش کرتے ہیں تو اکثر یوں کہا کرتے ہیں کہ آپ کو اس کی کیا پرواہ ہے یہ تو حقیر اور قلیل چیز ہے یہ محاورہ قابل ترک ہے۔ بخدا اس لفظ کو سن کر میرا تو رونگٹا کھڑا ہوجاتا ہے۔ مشائخ کیا چیز ہیں کہ وہ خدا کی نعمتوں سے مستغنی ہوں اور ان کو خدا کی نعمتوں کی پرواہ نہ ہو۔ آخر وہ بھی انسان ہیں ان کو بھی کھانے پینے اور روپیہ پیسہ کی احتیاج ہوتی ہے۔ اگر ایک وقت پیشاب بند ہوجاوے اس وقت حقیقت معلوم ہوجائے کہ پیر صاحب دنیا کی چیزوں سے کتنے بے پرواہ ہیں یہ محض جہالت ہے اور جو مشائخ اس لفظ کو سن کر خاموش ہوجاتے ہیں ان کی ہمت ہے ایسے الفاظ کبھی شیخ کے لئے استعمال نہ کرنے چاہئیں جو انبیاء کے واسطے بھی بولنے جائز نہیں انبیاء علیہم السلام بھی خدا کی سب نعمتوں کے محتاج تھے۔

---

(۱) توجہ (۲) بے نیازی (۳) بے نیاز

جب حضرت ایوب علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے مرض سے شفا عطا فرمائی ہے وہ غسل کر رہے تھے اسی وقت ان کے اوپر سونے کی ٹڈیوں کی بارش آسمان سے ہوئی وہ ان ٹڈیوں کو فوراً جمع کرنے لگے حق تعالیٰ نے فرمایا افلم اکن اغنیتک کہ کیا میں نے تمکو غنی نہیں کیا۔ انہوں نے عرض کیا بلے یا رب ولکن لاغنائی عن برکتک کہ خدایا آپ نے بیشک مجھے غنی بنایا ہے۔ لیکن آپ کے تبرک سے تو بے پرواہ نہیں ہو سکتا۔ پس خدا کی نعمتوں سے بے پروائی کسی کو کسی وقت نہیں ہو سکتی تو ہم خدا تعالیٰ کی رضاء کے بھی محتاج ہیں جنت کے بھی محتاج ہیں ثواب کے بھی محتاج ہیں اور وہ یہ مقاصد ہیں جن کا اعمال دینیہ میں مطلوب(۱) ہونا ظاہر ہے ان کی نیت عبادات میں کرنا اخلاص کے خلاف نہیں۔

جب آپ کو اخلاص کی ضرورت اور اس کی حقیقت معلوم ہوئی۔ اب یہ معلوم کیجئے کہ حج کا کن چیزوں سے خالص کرنا ضروری ہے سو سن لیجئے کہ وہ دنیوی اغراض ہیں جن سے حج کا خالص کرنا ضروری ہے دینی کام کے ساتھ دنیوی غرض کا ملنا ایسا ہے جیسا کہ دودھ میں پانی ملا دیا جائے اور کون نہیں جانتا کہ دودھ خالص وہی ہے جس میں پانی نہ ہو اسی طرح عبادت خالص وہی ہے جس میں دنیوی غرض کوئی ملی ہوئی نہ ہو اور دودھ میں پانی ملانے کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ دودھ میں پانی ملایا جائے۔ دوسرے یہ کہ پانی میں دودھ ملایا جائے۔ تیسرے یہ کہ دونوں کو ایک ساتھ کسی دوسرے برتن میں ڈال دیا جائے حج میں آمیزش کی بھی یہی تین صورتیں ہیں نمبر۱۔ یہ کہ حج سے پہلے ہی کوئی خرابی اس میں ڈال دی جائے نمبر۲۔ دوسرے یہ کہ حج کر کے اسکو خراب کر دیا جائے نمبر۳۔ تیسرے یہ کہ حج کے ساتھ ساتھ خرابیاں بھی ہوتی رہیں۔

حج سے پہلے خرابی ڈالنے کی صورت یہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی دنیوی غرض اس کے ساتھ ملالی جائے مثلاً حاجی کہلانے کی نیت ہو یا مال حرام سے سفر کیا جاوے۔ حج کے ساتھ ساتھ خرابیاں ہونے کی صورت یہ ہے کہ سفر حج میں معصیت(۲) کرتے رہیں۔ گناہوں سے توبہ نہ کی ہو۔

(۱) مقصود (۲) گناہ

سفر حج میں اہتمام نماز :

مثلاً" بعض لوگ حج کے سفر میں نماز چھوڑ دیتے ہیں اور جو کوئی ان سے کہتا ہے کہ بھائی یہ کیسا حج ہے کہ نماز ہی موقوف (۱) کردی تو کہتے ہیں کہ صاحب ایسی گندی حالت میں نماز کیسے پڑھیں۔ جہاز کے پاخانہ غلیظ (۲) ہوتے ہیں چھینٹیں اڑ کر کپڑوں پر آتی ہیں کپڑوں کا کیا اعتبار جوتوں کا کیا اعتبار۔ خدا فقہاء کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے وسوسہ کو اس قدر قطع (۳) کیا ہے کہ کوئی کیا قطع کرے گا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ جب تک قسم کھا کر نہ کہہ سکے کہ میرا وضو ٹوٹ گیا اس وقت تک باوضو ہے اسی طرح کپڑوں کا حکم ہے جب تک یقین نہ ہوجائے کہ ان میں ناپاکی لگ گئی ہے اس وقت تک کپڑوں کو پاک سمجھنا چاہئے خواہ کیسے ہی پاخانے غلیظ ہوں احتیاط کرکے بیٹھو اور احتیاط سے اٹھو جب تم کو ناپاکی کپڑوں پر نظر نہیں آتی ان کو پاک ہی سمجھو۔ لیجئے شریعت میں کس قدر آسانی ہے اب بھی اگر کوئی نمازیں برباد کرے وہ خود بھگتے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ یہ دو فرقے دین کے محافظ ہیں۔ فقہاء اور صوفیہ ' اور فقہاء کا وجود تو مسلمانوں کے حق میں بہت ہی بڑی نعمت تھی۔

علماء نے لکھا ہے کہ کسی کو خبر نہیں کہ میرے ساتھ خدا کو کیا منظور ہے۔ مگر فقہاء کو معلوم ہے کہ خدا کو ان کی ساتھ بھلائی منظور ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے من یرد اللہ بہ خیر ایفقہ فی الدین جس کے ساتھ خدا کو بھلائی کرنے کا ارادہ ہوتا ہے اس کو دین کی سمجھ یعنی فقہ عطا کرتے ہیں ' امام محمدؒ کو کسی نے وفات کے بعد خواب میں دیکھا ' پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا فرمایا مجھ کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد! مانگو کیا مانگتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میری مغفرت کر دی جائے جواب ملا کہ اگر ہم تم کو بخشنا نہ چاہتے تو فقہ عطا نہ کرتے۔ ہم نے تم کو فقہ اسی لئے عطا کیا تھا کہ تم کو بخشنا منظور تھا۔

مگر اس سے مامون العاقبت (۴) ہونا لازم نہیں آتا۔ یعنی یہ نہ سمجھا جاوے کہ فقہاء پر سوء خاتمہ (۵) کا اندیشہ بالکل نہیں اس لئے مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں

---

(۱) ترک (۲) گندے (۳) ختم (۴) انجام سے مطمئن (۵) خراب انجام

کیونکہ حق تعالیٰ اگر فقیہ کو عذاب کرنا چاہیں گے تو فقہ کو اس سے سلب (۱) کرلیں گے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ فقہ کیونکر سلب ہوجاویگا۔ بات یہ ہے کہ فقہ کتابوں کے پڑھ لینے کا نام نہیں۔ فقہ ایک نور ہے جو فقیہ کے دل میں ہوتا ہے جس کی برکت سے اس کو دین کی سمجھ حاصل ہوتی ہے اور اس نور کو حق تعالیٰ جب چاہیں سلب کرلیں وہ کسی کے اختیار میں نہیں ہے اب تم لاکھ کتابیں پڑھتے پڑھاتے رہو۔ مگر چونکہ دین کی سمجھ نہیں رہی۔ تم فقیہ نہیں ہوسکتے اور وہ نور فقہ طاعات (۲) اور تقویٰ سے بڑھتا ہے اور معاصی (۳) سے سلب ہوجاتا ہے جو فقیہ مطیع (۴) اور متقی (۵) نہ ہو وہ کتابوں کا فقیہ ہے۔ حقیقی فقیہ نہیں اور نہ اس کے واسطے وہ بشارت (٦) ہے جو حدیث میں مذکور ہے۔ اس لئے خاتمہ سے اطمینان کسی حال میں فقیہ کو بھی نہیں ہوسکتا۔

اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ فقہ دین کی سمجھ کا نام ہے تو اس میں کیا شبہ ہے کہ فقیہ صوفی ضرور ہوگا۔ ہمارے فقہاء جتنے ہوئے ہیں سب صاحب نسبت اور صاحب معرفت تھے۔ نسبت اور معرفت کے بغیر دین کی سمجھ کامل نہیں ہوسکتی۔ ایسے ہی فقہاء کی شان میں فرمایا گیا ہے فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد کہ ایک فقیہ ہزار عابدوں سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے۔ جس کو دین کی سمجھ ہوگی۔ وہ شیطان کے فریبوں کو خوب سمجھے گا اور اس کی ایک چال نہ چلنے دے گا اور کورے عابد کو تو شیطان جس طرح چاہے پٹی پڑھا سکتا ہے۔

ہم نے ایک عابد زاہد کو سفرِ حج میں دیکھا کہ نماز بالکل چھوڑ بیٹھے تھے۔ شیطان نے ان کو اسی قسم کے پاکی اور ناپاکی کے توہمات (۷) میں مبتلا کر دیا تھا۔ فقیہ ان باتوں میں کبھی نہ آئے گا تو حدیث میں جس فقیہ کو ہزار عابدوں سے زیادہ شیطان پر بھاری بتلایا گیا ہے۔ یہ وہی فقیہ ہے جس کو دین کی سمجھ ہو صرف کتابیں پڑھنے والا فقیہ مراد نہیں۔ حضرات فقہاء شیطان کی ان چالوں کو خوب سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے پاکی اور ناپاکی کے مسائل میں بہت توسع (۸) فرمایا ہے۔

---

(۱) چھین لینا (۲) عبادات (۳) گناہ (۴) فرماں بردار (۵) پرہیز گار (٦) خوش خبری (۷) وہم (۸) گنجائش

اور یہ ان کی وسعت نظر کی دلیل ہے کہ جو باتیں' ان کو پیش بھی نہ آئی تھیں ان کو سوچ سوچ کر بیان کر گئے اور پھر قواعد ایسے بیان کر دیئے جن سے قیامت تک کی جزئیات کا حکم نکالنا آسان ہو گیا۔ ان مسائل کی ضرورت گھر بیٹھے نہیں معلوم ہو سکتی۔ مگر فقہاء ایسے تنگ نظر نہ تھے کہ گھر بیٹھے باہر ان کی نظر نہ جائے۔ فقہاء کے پیش نظر دریا کا تلاطم (۱) بھی تھا وہ اسکے احکام بھی بیان کر گئے ہیں کہ اگر چکر آتا ہو کھڑا نہ ہو سکتا ہو تو نماز بیٹھ کر یا لیٹ کر ہی پڑھ لے اور دوران سر (۲) کی وجہ سے کپڑوں کے پاک کرنے اور دھونے کی طاقت نہ ہو نہ کوئی رفیق یہ کام کر سکتا ہو نہ زیادہ کپڑے اس کے پاس ہوں تو اسی ناپاک کپڑے سے نماز پڑھ لے۔ فقہاء نے اس میں بھی کلام کیا ہے کہ اگر جہاز وغیرہ میں چکر نہ بھی ہو تب بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھنا واجب ہے مگر اس سے حضرات فقہاء کی وسعت نظر تو معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے جزئیات کا بہت احاطہ کیا ہے۔

استنجے کی بابت بھی فقہاء نے خوب تفصیل لکھی ہے کہ کس حالت میں فرض واجب ہے اور کس حالت میں سنت ہے۔ حضرت اگر فقہاء کی یہ رختیں (۳) اور تحقیق نہ ہو۔ جہاز میں تو سب نماز روزے رخصت ہو جاتے۔ یہاں وہم نہیں چل سکتا۔ جہاز میں بڑے بڑے وہمیوں کا وہم رخصت ہو جاتا ہے (۴)اور یہاں تو بالعوض رخصت ہوتا ہے اور مدینہ کے راستہ میں بلاعوض رخصت ہو جاتا ہے۔ سفر مدینہ کے بعد پھر وہم پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہاں پانی بھی کم ملتا ہے اور راستہ میں پیاس کی بھی شدت ہوتی ہے بڑے بڑے وہمی جھک مار کر پانی کم خرچ کرتے ہیں تاکہ پیاسے نہ مر جائیں۔ پھر اس پر غضب یہ ہوتا ہے کہ حاجی اپنا خون خشک کر کے پانی بچاتا ہے اور بدو مشک کھول کر بہت سا پی جاتا ہے۔ (۵)

---

(۱)موجوں کے تھپیڑے (۲)سر چکرانے (۳)رعائتیں (۴)وہم چلا جاتا ہے (۵)یہ تو اس زمانے کی بات ہے اب تو بحمد اللہ راستے میں پانی خوب ملتا ہے۔

ایک مرتبہ مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری کی قافلہ میں بدوں نے حاجیوں کا پانی پینا شروع کیا۔ مولانا شیخ البلویین (۱) کے پاس تشریف لے گئے ادیب بہت بڑے تھے۔ آپ نے جاکر اس سے کہا کہ ان بدوؤں کو منع کر دو کہ ہمارا پانی نہ پئیں۔ ہم کو سخت تکلیف ہوتی ہے اس میں ایک جملہ آپ نے یہ بھی فرمایا ھم لا یشربون ماعونا بل بشربون و باعونا یہ لوگ ہمارا پانی نہیں پیتے بلکہ لہو پیتے ہیں۔ شیخ البلویین نے کہا انت فصیح تم بہت فصیح و بلیغ ہو۔ اس فصاحت کا یہ اثر ہوا کہ اس نے بدوؤں کو روک دیا کہ شیخ کا پانی کوئی نہ پئے۔ غرض مدینہ کے راستے میں تو وہم رہتا ہی رہتا نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ وضو وغیرہ میں پانی زیادہ صرف کرتے ہیں ان کو پانی برتنے کا طریقہ نہیں آتا۔ ورنہ اگر طریقہ سے وضو کریں تو بہت کم پانی صرف (۲) ہوتا ہے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ وضو وغیرہ میں پانی زیادہ تر بدن کو لگ کر صرف نہیں ہوتا زیادہ حصہ بدن کو لگنے سے پہلے ہی ادھر ادھر گر جاتا ہے تو اگر اس کا خیال رکھا جائے کہ ہر چلو پانی بدن سے اچھی طرح لگ کر زمین میں گرے تو بہت تھوڑے پانی میں بافراغت وضو ہوجاتا ہے تو حج میں ایک کوتاہی تو یہ ہوتی ہے کہ نماز ہی کو بہت سے لوگ حذف کر دیتے ہیں۔

حج کی لڑائی

ایک معصیت (۳) خاص حج کے متعلق زیادہ پیش آتی ہے کہ گھر سے نکل کر لڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حج کی لڑائی مشہور ہے۔ اچھے اچھے دوستوں بلکہ باپ بیٹوں میں بھی لڑائی ہوجاتی ہے اور پیر مرید کا تعلق حالانکہ باپ بیٹے سے بھی زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر حج میں پیر مرید کو بھی لڑتے دیکھا ہے مگر کمال یہ کہ پیر پھر بھی ان سے خفا نہ تھے۔ باوجودیکہ شریعت میں سب سے زیادہ حق باپ کا ہے اس کے بعد استاد کا اس کے

---

(۱) بدوؤں کے سردار (۲) خرچ (۳) گناہ

بعد پیر کا۔ مگر یہ طبعی بات ہے کہ محبت پیر کے ساتھ زیادہ ہوتی ہے اور اس کا راز یہ ہے کہ پیر کا تعلق خالص دینی تعلق ہے دنیا کا اسمیں لگاؤ نہیں اور جس تعلق میں دنیا کا لگاؤ نہ ہوگا وہ ضرور مستحکم (۱) ہوگا۔ پیر چونکہ خالص دین کی تربیت کرتا ہے اس لئے اس سے زیادہ کوئی علاقہ مؤثر نہیں۔ مگر ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ حج میں پیر اور مرید کا علاقہ بھی لڑائی سے نہیں روکتا۔ اب یا تو یہ اس سفر کی خصوصیت ہے یا ان پیر صاحب کو کچھ دنیا ان سے مطلوب ہوگی اس لئے ان کی وقعت مریدوں کی نظر میں نہ تھی۔ چنانچہ ہمارے قافلہ میں بھی لڑائی شروع ہوگئی ہے اور اس کے آثار دیکھ کر مجھے سخت رنج ہوتا ہے اور ابھی تو جہاز کا سفر بھی شروع نہیں ہوا۔ بمبئی تو گویا گھر ہی کے مثل ہے جب یہیں یہ باتیں شروع ہوگئیں تو آئندہ کا اور اندیشہ ہے اس لئے اسی وقت سے اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ گناہوں سے طاعات (۲) کا ثواب کم ہوجاتا ہے تو یہ کتنی بڑی نادانی ہے کہ جس ثواب کے لئے روپیہ خرچ کیا جائے جان پر مشقت برداشت کی جائے اسکے ثواب کو دو چار باتوں میں کم کر دیا جائے۔ میں کئی روز سے ایسے آثار دیکھ رہا ہوں۔ مگر میری عادت نہیں کہ خود کسی کے معاملہ میں دخل دوں میرے اوپر غیرت کا غلبہ زیادہ ہے۔ اس لئے خود کسی معاملہ میں دخل دینے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ میرا تو کام نہیں میں کیوں دخل دوں۔ کسی کو لاکھ دفعہ غرض پڑے اپنی اصلاح کا طریقہ دریافت کرے ورنہ میری جوتی کو غرض پڑی ہے کہ اپنے آپ تو کسی کو اپنی اصلاح کا قصد نہ ہو اور میں اس کے پیچھے پڑتا پھروں اگر کسی وقت شفقت کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے تو میں بھی نرمی سے کہہ دیتا ہوں اور بعض بزرگ ایسے بھی ہیں جن پر شفقت کا غلبہ ہے وہ خود اپنے متعلقین کے معاملات میں دخل دیتے ہیں۔ مجھ پر بھی اگر کسی وقت یہ رنگ غالب ہوتا ہے تو ایسا کرتا ہوں۔ مگر میرے اوپر غیرت کا غلبہ زیادہ ہے۔ یہ دونوں مذاق ہیں اور دونوں کی اصل قرآن سے ثابت ہے۔

اس لئے کسی مذاق پر طعن کا کسی کو حق نہیں۔ اگر مجھ سے طریقہ دریافت

---

(۱) مضبوط (۲) عبادات

کیاجائے گا بتلا دوں گا۔ ورنہ جیسا کریں گے خود بھگتیں گے۔ حج کے سفر میں زیادہ تر لڑائی جھگڑے اس سے پیش آتے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے توقع ہوتی ہے۔ پھر جب اس توقع کے خلاف برتاؤ ہوتا ہے تو جھگڑے پیش آتے ہیں اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ سفر حج میں زاد (۱) میں کسی کو شریک نہ کرے۔ اس شرکت کی وجہ سے ہر شریک کو دوسرے سے امداد اور راحت رسانی (۲) کی توقع ہوتی ہے اور سفر کی حالت میں بعض دفعہ انسان اپنی بھی امداد نہیں کرسکتا تو دوسرے کی خاک امداد کرے گا۔ اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ ہر شخص اپنا سامان کھانے پینے کا جدا رکھے اور انتظام پکانے کا بھی الگ کرے۔ دوسرے کسی سے کچھ توقع نہ رکھے اس کے بعد اگر کسی سے ذرا سی بھی راحت پہنچ جائے گی' اس کی قدر ہوگی اور نہ پہنچے گی تو شکایت نہ ہوگی۔ بہرحال ان وجوہ سے یہ قصے حج سے پہلے ہی شروع ہوگئے ہیں ان کی اصلاح بہت ضروری ہے خدا تعالیٰ اس کو دفع کرے یہ بھی انہی معاصی (۳) میں سے ہے جو حج سے پہلے ہوتی ہے۔

حج کی رقم میں احتیاط :

بعض لوگ ایک کوتاہی یہ کرتے ہیں کہ رقم کی بابت احتیاط نہیں کرتے۔ رشوت وغیرہ کی رقم لے کر حج کو جاتے ہیں کبھی اور کوئی حرام کمائی ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے رب شعث اغبر یطیل سفرہ و ملبسہ حرام وما کلہ حرام یرفع یدیہ یدعوا اللہ فان یستجاب لہ اھ او کما قال (بہت سے پراگندہ بال خستہ حال آدمی جو لمبا سفر کرتے ہیں ہاتھ اٹھا کر خدا سے دعائیں کرتے ہیں اور حالت یہ ہے کہ لباس بھی حرام کا ہے اور غذا بھی حرام ہے پھر ان کی دعا کیونکر قبول ہو۔) اس سے معلوم ہوا کہ حرام کمائی کے ساتھ دعا قبول نہیں ہوتی اور دعا بھی

---

(۱) سامان (۲) آرام پہنچانے

عبادت ہے تو اسی سے دوسری عبادات کا حال بھی سمجھ لیا جائے کہ اور عبادات بھی حرام مال سے اگر کی جائیں گی۔ قبول نہ ہوں گی۔ پس حرام کمائی کے ساتھ حج بھی قبول نہ ہوگا۔ اس لئے اس کا بہت خیال کرنا چاہئے کہ زاد و راحلہ (۱) اور روپیہ وغیرہ حرام مال سے نہ ہو حلال کمائی ہونی چاہئے

تقویٰ کا ہیضہ :

شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ آجکل تو اکثر آمدنیاں حرام ہی ہیں پھر کسی کا بھی حج مقبول نہ ہوگا۔ سو یہ بالکل غلط ہے۔ وہی فقہاء جو رحمت عالم ہیں ان سے پوچھو دریافت کرو جو آمدنی ان کے فتویٰ سے جائز وحلال ہو اس کو حلال سمجھو اور فتویٰ کی رو سے بہت سی آمدنیاں اب بھی حلال ہیں۔ اس میں غلو کرنے اور تقویٰ بھگارنے کی ضرورت نہیں۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں لا تغلوا فی دینکم (دین میں غلو مت کرو) یعنی بات بات میں شبہات مت نکالو۔ بال کی کھال نہ کھینچو۔ ظاہر میں تو غلو اچھا معلوم ہوا کرتا ہے انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس میں کیا حرج ہے۔ یہ تو تقویٰ ہے کہ میں ذرا ذرا بات کی چھان بین کرتا ہوں۔

بعض لوگ عوام کے سامنے ایسی حکایات بیان کرتے ہیں کہ کسی بزرگ کے پاس کوئی طالب (۲) روزی حلال آئے انہوں نے کہا چند روز پہلے تک تو حلال تھی مگر ایک بار میرے بیل دوسرے کے کھیت میں جاگھسے وہاں کی مٹی ان کی کھریوں کو لگ گئی پھر وہ میرے کھیت میں مل گئی پھر اس میں غلہ پیدا ہوا اس لئے حلال نہیں رہا۔ مگر اس غلو کا انجام ابتلاء فی المعصیت (۳) ہوجاتا ہے یعنی تھوڑے دنوں میں یہ تقویٰ بھی جاتا رہتا ہے اور فتویٰ بھی۔ کیونکہ جب ان توہمات کے ساتھ حلال روزی کوئی سمجھ میں نہیں آتی تو شیطان پٹی پڑھا دیتا ہے کہ بس دنیا میں حلال روزی تو میسر آ نہیں سکتی اور بدوں کھائے پئے گذارہ نہیں چل سکتا تو اب حلال و حرام کی فکر ہی فضول ہے جو آجائے اور جس طرح آجائے کھالینا چاہئے ہمیشہ غلو کا یہی انجام ہوتا ہے کیونکہ توہمات (۴) کا سلسلہ کم نہیں ہوا کرتا بڑھتا ہی چلا جاتا ہے پھر آخر کار گھبرا کر اس کو بھی چھوڑ دیتا ہے جس کا شریعت نے حکم کیا تھا۔

---

(۱) سفر اور خرچ (۲) چاہنے والے (۳) گناہ میں مبتلاء ہونا (۴) خیالات فاسدہ

اسی واسطے فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص گیہوں کا ایک دانہ لئے پھرے کہ یہ کس کا ہے اسکو سزا دینی چاہئے۔ کیونکہ تقویٰ کا ہیضہ ہے کہ آپ ایک دانہ کو پکارتے ہوئے پھرتے ہو۔ واقعی فقہاء نے شیطان کے فریبوں کو خوب ہی سمجھا ہے۔ ظاہر میں تو یہ حکم فقہاء کا گراں معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک شخص دوسرے کے دانہ کو پڑا ہوا پائے تو اس کے پوچھنے میں کیا حرج ہے۔ مگر فقہاء کی نظر انجام پر ہے کہ اس تقویٰ کی انتہاء معصیت ہے۔

مال حرام سے حج :

بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ حرام مال کما کر جاتے ہوئے دوسرے شخص کے حلال مال سے اسکو بدل لیتے ہیں گویا خدا سے بہانہ کرتے ہیں مگر اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ بدلین کا حکم ایک ہی ہوتا ہے۔ اس بدلنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حلال مال بھی حرام ہوجاتا ہے۔

کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ فقہاء نے بھی تو ایسا حیلہ لکھا ہے جواب یہ ہے کہ اول تو وہ حیلہ اسطرح نہیں۔ جس طرح تم کرتے ہو کہ حلال و حرام کا ادلہ بدلہ کرتے ہو وہ حیلہ دوسرا ہے۔ دوسرے فقہاء نے وہ حیلہ بھی اس لئے نہیں لکھا کہ اسکے سہارے سے حرام مال کمایا کریں اور اسکو اپنے تصرف میں لایا کریں۔ فقہاء نے وہ حیلہ صرف اس واسطے بیان کیا ہے کہ اگر کسی وقت کسی کے پاس ایسی رقم آجاوے جو کمانے والے نے تو حرام طریقہ سے کمائی ہو مگر اس کے پاس حلال طریقہ سے آئی ہو مثلاً کسی کو میراث میں رقم مل گئی اور مرنے والا سود خور رشوت خور تھا۔ اب یہ پتہ نہیں کہ یہ ساری میراث سود اور روشوت ہی کی ہے یا بالکل حلال ہے یا دونوں قسم کا روپیہ ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ رشوت کس کس سے لی تھی اس صورت میں آسانی کے لئے وہ صورت بیان کردی ہے۔

---

(۱) دونوں تبدیل شدہ

باقی جس نے خود رشوت لی ہے اور وہ جانتا ہے کہ فلاں فلاں سے میں نے رشوت لی ہے اسکو اس حیلہ پر عمل کرنا جائز نہیں۔ بلکہ اس پر واجب ہے کہ جس سے رشوت لی ہے اسکو اس کی رقم واپس کر دے پھر اس کے بعد دیکھے کہ حلال آمدنی کتنی بچتی ہے اگر اس میں حج کر سکے تو حج کو جائے ورنہ اس پر حج فرض ہی نہ ہوگا۔

مگر آجکل تو لوگوں نے سستا نسخہ یاد کرلیا ہے کہ حرام مال خوب کماؤ بعد میں اولا بدلا کرکے اسکو حلال کرلیں گے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہانہ ہے جو کبھی جائز نہیں۔ پھر فقہاء نے جو صورت حیلہ کی بیان کی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس حیلہ کے بعد گناہ سے بھی بچ جاویگا۔ گناہ پھر بھی رہے گا کیونکہ اس حیلہ کی صورت یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس حرام کی رقم ہو اور وہ کسی دوسرے سے قرض روپیہ لے کر اس سے حج کرکے بعد میں اس قرض کو اس حرام روپیہ سے ادا کردے تو فقہاء لکھتے ہیں کہ اس صورت میں حج صحیح ہوگا۔ کیونکہ قرض گو انتہاء" (۱) معاوضہ ہے مگر ابتداء" ابترع(۲) ہے تو گویا اس نے ایسے مال سے حج کیا جو اس کو دوسرے کے پاس سے تبرعا"(۳) ملا ہے اور انتہاء جو مبادلہ (۴) تھا سو وہ مبادلہ دیون (۵) میں ہے۔ عین (۶) میں نہیں یعنی جب اس نے ادا کیا ہے اس کا دین (۷) اس دوسرے کے ذمہ واجب ہوگیا پھر دونوں دین میں مقاصہ (۸) ہوگیا۔ اس لئے حرام روپیہ ادا کرنے سے اس روپیہ میں خبث(۹) نہ آئے گا جو پہلے قرض لیا گیا تھا۔

اس سے فقہا کی فہم (۱۰) کا اندازہ ہوتا ہے بھلا خشک محدث(۱۱) ان دقائق (۱۲) کو کہاں سمجھ سکتا ہے لیکن فقہا کا اس بیان سے مقصود یہ ہے کہ اس صورت میں حج صحیح ہوجائے گا۔ حج میں کوئی خرابی نہیں یہ مطلب نہیں کہ گناہ نہ ہوگا۔ اس صورت میں یہ شخص دوسری معصیت کا مرتکب ہوا وہ یہ کہ دوسرے شخص کو حرام مال استعمال کے لئے دیا۔

---

(۱) آخر کار (۲) احسان (۳) بخشش کے طور پر (۴) تبادلہ (۵) قرضوں (۶) اصل (۷) قرض (۸) ادلا بدلہ (۹) پلیدی اور ناپاکی (۱۰) سمجھ (۱۱) اہل حدیث (۱۲) باریکیوں

حرام مال کا نہ خود کھانا جائز ہے نہ دوسروں کو کھلانا جائز ہے حتیٰ کہ کافر کو بھی حرام مال کھلانا جائز نہیں یہاں تک کہ ناپاک چیزوں کا کھلانا جانوروں کو بھی جائز نہیں۔ بعض لوگ ایسا کھانا جس میں کتا بلی منہ ڈال جائے بھنگی کو دے دیتے ہیں یہ ناجائز ہے بلکہ یہ چاہئے کہ اس سے کہہ دیں کہ اس چیز کو پھینک دو۔ اس کے بعد اگر وہ خود کھالے یا اپنے گھر لے جائے یہ اس کا فعل ہے تم خود اسکو استعمال کے لئے مت دو۔ غرض رشوت اور سود کا مال قرض میں دینا بھی جائز نہیں۔ حدیث میں ہے لعن اللّٰہ اکل الربوا و موکلہ (خدا لعنت کرے سود کھانے والے پر اور کھلانے والے پر) مراد دوسرے کو دینا ہے۔ چونکہ لینا دینا سبب ہوجاتا ہے کھانے پینے کا۔ اس لئے اسکو اکلہ و موکلہ سے تعبیر فرمایا۔ مقصود یہ ہے کہ سود دینے والے اور سود لینے والے دونوں پر لعنت ہے

اس میں یہ صورت بھی شامل ہے کہ سود لے کر کسی دوسرے شخص کو وہ روپیہ اپنے قرض میں دیا جائے اس صورت میں اس نے اسکو سود کا روپیہ دیا۔ ایک گناہ تو یہ ہوا اس سے بڑھ کر ایک اور گناہ کا مرتکب ہوا وہ یہ کہ اکثر لوگ حرام کا روپیہ قرض میں دے کر اپنے آپ کو بری سمجھتے ہیں۔ ان کو یہ خیال ہی نہیں آتا کہ ہم نے کوئی گناہ بھی کیا ہے تاکہ اس سے توبہ کریں اور اگر اس دوسرے شخص کو خبر نہیں کی کہ یہ روپیہ سود اور رشوت سے ہم نے حاصل کیا تھا جو تم کو قرض کے بدلہ میں دے رہے ہیں تو دھوکہ دینے کا تیسرا گناہ اور ہوا۔ خلاصہ یہ کہ حرام کمائی کرنے والے حج کو جاتے ہوئے جس طرح اولا بدلا کرتے ہیں اس سے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ مال جو بدلہ میں لیا جاتا ہے حرام کا حرام ہی رہتا ہے اور جو حیلہ فقہاء نے بیان کیا ہے اس طریقہ سے اگرچہ حج صحیح ہوجاتا ہے۔ مگر ایک گناہ کے بدلے کئی گناہ لازم آجاتے ہیں۔ اس لئے اس کی بہت ضرورت ہے کہ حج کے لئے خالص حلال سفر خرچ لیا کریں۔

حج میں فخر و شیخی :

ایک کوتاہی حج میں یہ ہوتی ہے کہ اکثر لوگوں کو افتخار (۱) و اشتہار کی عادت ہوتی ہے جہاں بیٹھتے ہیں اپنے حج کے تذکرے کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کو حاجی سمجھیں۔ لوگوں سے فخراً کہتے ہیں کہ ہم نے سفرِ حج میں اتنا روپیہ خرچ کیا مکہ میں اتنا دیا، مدینہ میں اتنا خیرات کیا یقول اھلکت مالا لبدا (۲) حق تعالیٰ کفار کی مذمت میں فرماتے ہیں کہ کافر خرچ کر کے گاتا پھرا کرتا ہے کہ میں نے مال کے ڈھیر خرچ کر دیئے یہ وہ معاصی ہیں کہ خشک مولوی بھی یہاں تک نہیں پہنچتے۔ حج میں افتخار اور اشتہار اور تعظیم و تکریم کی خواہش نہ ہونی چاہیئے اس میں تواضع و مسکنت ذلت و خواری ہونی چاہیئے۔

سفرِ حج سفرِ آخرت ہے :

یہ سفر سفرِ آخرت کے مشابہ ہے کہ اپنے گھربار زمین جائیداد وغیرہ کو چھوڑ کر اقرباء سے رخصت ہو کر جاتا ہے اور تھوڑا سا سامان ساتھ لیتا ہے جیسا کہ مردہ سب سامان چھوڑ کر صرف کفن ساتھ لے جاتا ہے بلکہ بعض حاجی بھی اس خیال سے کہ موت ہر اک کے ساتھ ہے۔ نہ معلوم کس وقت موت آجائے کفن بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور عوام تو اسکو بہت ہی ضرور سمجھتے ہیں مگر افسوس کہ کفن ساتھ لے کر بھی وہ کام نہیں کرتے جو کفن پہننے والے کو کرنے چاہئیں۔ جب کفن ساتھ لیا تھا تو چاہیئے تھا کہ اپنے آپ کو اسی وقت سے مردہ تصور کرتے اور ساری شیخی اور تکبر کو یہیں چھوڑ جاتے اور پہلے سے زیادہ اعمالِ آخرت کے لئے کوشش کرتے مگر کچھ نہیں یہ کفن ساتھ لینے کی بھی ایک رسم ہوگئی ہے ورنہ بعض لوگ سفرِ حج میں پہلے سے گناہ کرنے لگتے ہیں۔ نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ جماعت کا اہتمام تو اچھے اچھے بھی نہیں کرتے اور لڑائی جھگڑا کرتے ہیں اور حج کر کے اپنے کو سب سے افضل سمجھنے لگتے ہیں کیا سفرِ آخرت کی بھی یہی شان ہونی چاہیئے۔

---

(۱) فخر (۲) البلد : آیت ٦

سفر حج اس اعتبار سے بھی قبر کے مشابہ ہے کہ جس طرح قبروں میں کبھی دو آدمی پاس پاس دفن ہوتے ہیں مگر ہر اک کا جدا حال ہوتا ہے کوئی راحت میں ہے کوئی عذاب میں اور ایک کو دوسرے کے حال کی خبر نہیں ہوتی۔ اس طرح حج میں ایک شگفتہ(۱) ہے ایک دیگر(۲) ہے اور ہر اک کو اپنی اپنی فکر ہوتی ہے دوسرے کی فکر کسی کو نہیں ہوتی الا ما شاء اللہ اور جو شخص اس سفر میں دوسروں کی خدمت کرے وہ گویا مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

سفرنامہ حج کا لکھنا :

بعض لوگ ایسے بیہودہ ہوتے ہیں کہ حج میں روزانہ کے واقعات قلمبند کرتے ہیں وہاں بھی ان کو مضمون نگاری سوجھتی ہے اگر اس خیال سے کوئی شخص حالات قلمبند کرے کہ دوسروں کو سفر حج آسان ہوجائے گا اس کا مضائقہ نہیں۔ مگر بعض لوگوں کو محض اخبار نویسی اور مضمون نگاری کا شوق ہوتا ہے' ہمارے ساتھ ایک ڈپٹی کلکٹر تھے وہ ہندوستان کے اخباروں میں لکھ لکھ کر وہاں کے حالات بھیجتے تھے اور سفر کی تکلیف کو بہت مبالغہ سے لکھتے تھے تاکہ پھر کوئی حج کا نام ہی نہ لے۔

اسی طرح ایک اور صاحب تھے وہ بھی وہاں کی شکایت جمع کیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ میرے پاس ایک محضر(۳) لکھ کر لائے۔ جس میں وہاں کی تکلیف کو قلمبند کیا تھا کہ اس پر دستخط کرو۔ میں نے کہا کہ حضرت تصدیق وہ کرے جس کو ان تکالیف کی اطلاع ہو مجھ کو تو کوئی تکلیف ہی پیش نہیں آئی۔ پھر کاہے کی تصدیق کروں' بس وہ خفا ہوگئے اور کہنے لگے کہ بس ہندوستانیوں میں اتفاق نہیں۔

اہل شوق کا حال :

سو اگر پہلے ہی سے یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ سفر آخرت کا سفر ہے پھر کوئی بھی کلفت (۴) معلوم نہ ہو مگر آجکل تو یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جیسے گھر میں آرام کے ساتھ بسر کرتے ہیں ویسے ہی حج کے سفر میں رہیں حالانکہ سفر میں گونہ مشقت

---

(۱) خوش (۲) پریشان (۳) وثیقہ (۴) تکلیف

اور تکلیف کا ہونا ضروری ہے دل میں اگر شوق اور محبت ہو تو پھر کوئی بھی تکلیف تکلیف نہیں رہتی اور جہاں بیت اللہ پر ایک نظر پڑی اسی وقت سب کلفت رفع ہوجاتی ہے اس وقت یاد بھی نہیں آتا کہ اس سے پہلے کیا کیا پیش آیا تھا۔ بس وہ حال ہوتا ہے جو جنت میں پہنچ کر جنتیوں کا ہوگا۔ الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور ط الذی احلنا دارالمقامۃ من فضلہ لا یمسنا فیھا نصب ولا یمسنا فیھا لغوب (۱) جنتی جنت میں پہنچ کر کہیں گے کہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہم سے رنج و غم کو دور کر دیا۔ بیشک ہمارا خدا بڑا بخشنے والا قدر دان ہے۔ جس نے ہم کو ٹھکانے کے گھر میں پہنچا دیا اپنے فضل سے جس میں نہ ہم کو کوئی مشقت معلوم ہوتی ہے نہ کچھ تھکن محسوس ہوتی ہے۔ یہی حال بیت اللہ کو دیکھ کر اہل اللہ کا ہوتا ہے۔

حج میں خودبینی وخودرائی :

بعض لوگ سفر حج میں پریشان ہوجاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ شوق سے خالی ہیں اور وہ اسکو سفر آخرت نہیں سمجھتے۔ نیز جو شخص اسکو سفر آخرت سمجھتا ہوگا۔ اس میں دعویٰ اور افتخار بھی نہ ہوگا۔

فکر خود ورائے خود در مذہب رندے نیست کفرست دریں مذہب خود بینی و خودرائی (۲)

کلفت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اپنے کو بہت کچھ سمجھتے ہیں اس لئے جب سفر میں کوئی بات اپنی شان کے خلاف پیش آتی ہے تو اس سے ناگواری پیدا ہوتی ہے پھر اسی لئے دوسروں سے جھگڑے شروع ہوجاتے ہیں اگر ہر شخص اپنے آپ کو مٹادے اور عزت و آبرو کو بالائے طاق رکھ کر اپنے کو سب کا خادم سمجھے تو یہ باتیں پیش ہی نہ آئیں۔ مگر یہاں تو حالت یہ ہے کہ گھر سے چلتے ہی یہی خیال کرکے ہیں کہ ہماری یوں آؤ بھگت ہوگی۔ ہم جب لوٹیں گے لوگ ہم کو حج کی مبارکباد دینے آئیں گے اور جو مبارک باد دینے نہ آئے اس کی شکایت کی جاتی ہے کہ ہم حج کرکے آئے تھے ہم کو مبارکباد بھی نہ دی انا للہ۔

---

(۱) سورۃ فاطر: آیت ۳۴ (۲) اپنی فکر اور اپنی رائے کا خیال کرنا عاشق کے مذہب میں نہیں ہے اس مذہب میں خودبینی اور خود رائی کفر کا درجہ رکھتی ہے۔

حج نہ کرنے پر وعید :

ارے بھائی! تم نے حج کیا تھا تو کیا کمال کیا۔ تمہارے ذمہ فرض تھا اگر ادا نہ کرتے تو جہنم میں جھونکے جاتے اور نہ معلوم خاتمہ کس حال پر ہوتا۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہوا اور وہ پھر بھی حج نہ کرے تو خدا کو پروا نہیں چاہے وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ تو اگر تم حج نہ کرتے ان بلاؤں میں گرفتار ہوتے۔ پھر کسی پر کیا احسان کیا جو دوسروں سے مبارکباد ملنے کے منتظر ہو۔

یاد رکھو اس اشتہار اور افتخار(۱) سے سب کی کرائی۔ محنت اکارت (۲) ہو جاتی ہے یہ وہ معاصی تھے جو زمانہ حج سے پہلے ہوتے ہیں اور زمانہ حج کے قبل سے مراد وہ وقت ہے جو احرام باندھنے سے پہلے ہو۔

محضورات احرام :

باقی حج کے زمانہ میں جو گناہ ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ محظورات احرام کا ارتکاب کیا جائے یعنی جو باتیں حج میں ممنوع ہیں ان کو کیا جائے۔ مثلاً حج میں مردوں کو سر ڈھانکنا حرام ہے۔ عورتوں کو چہرہ پر کپڑا ڈالنا ناجائز ہے احرام الرجل فی راسہ و احرام المرءۃ فی وجھہا (۴) مگر اس سے یہ استنباط نہیں ہو سکتا(۵) کہ پردہ عورتوں کو نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ اس سے تو اور پردہ کے تاکد(۶) پر استدلال ہوتا ہے(۷) کہ عورت کو ساری عمر چہرہ کا ڈہانکنا ضروری ہے صرف حج میں اسکو منہ کھولنا چاہئے اگر یہ حج کی خصوصیت نہ ہوتی تو احرام المرءۃ فی وجہھا کے معنی کچھ نہیں ہوں گے۔ اگر عورت کو ساری عمر چہرہ کا کھولنا جائز ہوتا تو اس کے کیا معنی کہ عورت کا احرام چہرہ میں ہے اسی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عورت کے لئے چہرہ بہت قابل اہتمام ہے جیسا کہ مردوں کو سر ڈھانکنے کا اہتمام ہوتا ہے سو احرام میں ان دونوں کے خلاف حکم دیا گیا کہ مرد سر کھلا رکھیں اور عورتیں چہرہ کھلا رکھیں۔ مگر

---

(۱) فخر (۲) ضائع (۳) حالت احرام کے ممنوعات (۴) مرد کا احرام اس کے سر میں اور عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے (۵) اس بات پر دلیل نہیں پکڑی جا سکتی' یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا (۶) تاکید (۷) دلیل ملتی ہے

مطلب اس کا یہ ہے کہ کپڑا چہرہ سے لگے نہیں یہ نہیں کہ اجنبی مردوں کو چہرہ دکھلاتی پھریں پس عورتیں اپنے چہرہ پر اس طرح کپڑا لٹکائیں کہ چہرہ سے علیحدہ رہے چنانچہ اس کے لئے ایک پنکھا ایجاد ہوا ہے جس سے چہرہ پر کپڑا نہیں لگتا۔ اس کے علاوہ اور بھی محظورات احرام بہت ہیں جن کو فقہاء نے مناسک میں بیان کیا ہے اور قافلہ میں جو لوگ اہل علم ہیں ان سے وقت پر سب باتیں معلوم ہوجائیں گی۔ ان سے پوچھتا رہنا چاہئے۔ پس یہ گناہ حج کے ساتھ ہوتا ہے کہ احرام میں جو چیزیں ممنوع ہیں ان سے پرہیز نہ کیا جاوے۔

حج کے بعد ریا :

ایک معصیت حج کے بعد ہوتی ہے کہ بعض لوگ ریاء کرتے ہیں، ریاء سے اکثر طاعات کے انوار زائل ہوجاتے ہیں ثواب جاتا رہتا ہے اس سے بہت احتیاط چاہئے اور مستورات تو خصوصاً بہت ریاء کرتی ہیں۔ کیونکہ ان کو ساری عمر میں ایک بار حج کیلئے گھر سے نکلنا ہوتا ہے اس کو وہ بہت ہی بڑا کارنامہ سمجھتی ہیں اور حج کے بعد اگر کوئی ان کو مجن نہ کہے اس پر خفا ہوتی ہیں اور وہاں سے آکر سب کے سامنے گاتی ہیں کہ ہم نے سارے مقامات کی زیارت کی ہے اگر کسی غریب نے ایک جگہ کی زیارت نہ کی ہو تو اس سے کہتی ہیں کہ تیرا حج ہی کیا ہوا تو جبل نور پر تو گئی ہی نہیں۔ حالانکہ اصل مقصود عرفات اور بیت اللہ ہے پھر بیت الرسول۔(۱) مگر ان کی زیارت تو ہر شخص کرتا ہے اس لئے انکو کوئی فضیلت میں بیان نہیں کرتی۔ ہاں جبل نور، غار ثور اور امیر حمزہ کا مزار سب گناتی ہیں۔

اور بعض لوگ صراحۃً اپنے حاجی ہونے کا اگر ذکر نہیں کرتے تو کسی نہ کسی پیرایہ سے مخاطب کو جتلا دیتے ہیں کہ ہم حاجی ہیں۔ ایک بزرگ کسی کے یہاں مہمان ہوئے تو میزبان نے خادم سے کہا کہ اس صراحی کا پانی لانا جو ہم دوسرے حج میں ساتھ لائے تھے، مہمان نے کہا کہ حضرت آپ نے ایک بات میں دونوں حج کا ثواب کھو دیا۔ اس بات میں اس نے جتلا دیا کہ میں نے دو مرتبہ حج کیا ہے یہ ریاء نہیں تو اور کیا ہے؟

---

(۱) رسول ﷺ کا گھر

ریا کے طریقے بہت دقیق ہیں اگر کوئی شخص اپنے نفس کی نگہداشت کرے تو اس کو نفس کے حقائق معلوم ہو سکتے ہیں لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔ اکثر لوگوں کو شوق ہوتا ہے کہ حج کے بعد ہر مجلس میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں حالانکہ مسلمان کا مذہب تو یہ ہونا چاہئے۔

ما قصہ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم　　　　از ما بجز حکایت مہر وفا مپرس(۱)

نادار کو ترغیب حج جائز نہیں بان قصوں کے لئے اسی کو فرصت ملتی ہے جس کا دل محبت الٰہی سے خالی ہوتا ہے اور جو تذکرہ نمائش و ریاء کے لئے ہو تو روکنے کے قابل ہے محققین تو بعض اوقات ایسے تذکرہ کی بھی اجازت نہیں دیتے جو ظاہرا" اطاعت (۲) معلوم ہوتا ہے مثلا" وہاں کے فضائل و محاسن بیان کرنا جس سے وہاں جانے کی رغبت اور شوق ہو چنانچہ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہر شخص کے سامنے حج کی باتیں کرنا جائز نہیں کیونکہ تین قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جن پر حج فرض ہے۔ سو ایسے شخص کے سامنے تو ترغیبی مضامین بیان کرنا جائز بلکہ مستحب ہے کہ دلالت علی الخیر(۳) ہے۔ دوسرے وہ جن پر نہ فرض اور نہ ممنوع ان کے روبرو بھی بیان کرنا جائز ہے۔ تیسرے وہ جن پر حج فرض، نہیں ہے اور ان کو جانا جائز بھی نہیں اس وجہ سے کہ نہ مالی استطاعت ہے اور نہ مشقت پر صبرو تحمل ہو سکے گا۔ ان کے سامنے تشویق(۴) اور ترغیب کے قصے اور مضامین بیان کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے انکو حج کا شوق پیدا ہو گا اور سامان ہے نہیں نہ ظاہری نہ باطنی تو خواہ مخواہ دقت اور پریشانی میں مبتلا رہیں گے۔ جس سے ناجائز امور(۵) کے ارتکاب کا بھی اندیشہ ہے اس لئے ایسے لوگوں کے سامنے حج کی ترغیب اور تشویق کے مضامین بیان کرنا جائز نہیں یہ وہ مسائل ہیں جن پر لوگوں نے امام غزالی کی تکفیر پر فتوٰی دیئے۔

---

(۱) میں نے سکندر و دارا کا قصہ نہیں پڑھا مجھ سے سوائے محبت اور وفا کی باتوں کے سوا اور کچھ نہ پوچھو (۲) عبادت　(۳) خیر کی طرف رہنمائی　(۴) شوق دلانے　(۵) کاموں

ظاہر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج کی ترغیب سے لوگوں کو منع کرتے ہیں۔ مگر حاشا وکلا(۱) ان لوگوں نے امام کے قول کا مطلب ہی نہیں سمجھا وہ حج کی ترغیب سے منع نہیں کرتے۔ بلکہ لوگوں کو ناجائز امور میں مبتلا کرنے سے منع کرتے ہیں۔ کیونکہ نادار(۲) غیر صابر لوگوں کو ترغیب دینے کا یہی انجام ہوگا۔

تکالیف حج کا تذکرہ :

ایک کوتاہی بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ حج سے آکر وہاں کی تکلیف کا حال بیان کرتے ہیں۔ ایسی باتیں نہ کرنی چاہئیں چاہے وہ واقعی کلفتیں (۳) ہوں اور اگر واقعی کلفتوں میں اضافہ کرکے بیان کیا جائے تو یہ اس سے بھی بدتر ہے وہاں کی کلفتیں بیان کرنے کا یہ انجام ہوتا ہے کہ بہت لوگ حج سے رک جاتے ہیں اس کا سارا وبال ان لوگوں پر ہوتا ہے۔ جنہوں نے انکو ڈرایا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ وہاں ایسی تکلیف نہیں ہیں جن کا یقینی اثر ہلاکت ہو بلکہ جیسی کلفتیں یہاں گاڑی اور بہلی کے سفر میں پیش آتی ہیں ویسی ہی وہاں اونٹوں کے سفر میں پیش آتی ہیں۔ اگر آدمی احتیاط سے کام لے اور قافلہ سے علیحدہ نہ ہو تو ذرا بھی اندیشہ نہیں اور یوں کوئی خود ہی اپنی بے احتیاطی سے ہلاک ہونا چاہے تو اس کا یہاں بھی کوئی انتظام نہیں ہوسکتا۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ اونٹوں کا سفر ایسا پرلطف ہوتا ہے کہ اس کے سامنے یہاں کے سفر کچھ بھی نہیں پھر اگر کچھ کلفت پیش بھی آئے گی تو اس میں ثواب کس قدر ہے۔ جب یہاں دنیا کے واسطے سفر کی تکالیف برداشت کی جاتی ہیں تو خدا و رسول کی رضا کے لئے اگر ذرا سی کلفت پیش بھی آجائے تو کیا مضائقہ ہے۔(۴)

---

(۱) ہرگز نہیں (۲) غریب (۳) تکلیف (۴) یہ تو اس وقت کی بات ہے جب اونٹوں پر سفر ہوتا تھا۔ اب تو بحمد اللہ آرام دہ بسیں اور کاریں موجود ہیں جب اس وقت کی حقیقی تکلیف کے ذکر کو بھی منع کرتے ہیں تو آج تو تکلیف کا بالکل تذکرہ نہ کرنا چاہئے ۱۲ خلیل احمد (۲) خیر سے روکنے والا (۳) وہ روکتے ہیں اللہ کے راستے سے

اور اگر کوئی دعوئی کرے کہ اس سفر میں ہلاکت کا خطرہ زیادہ ہے تو یہ بالکل غلط اور مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ ہزارہا آدمی حج کو جاتے ہیں اور قریب قریب سب ہی سلامت واپس آتے ہیں اور یوں بیس پچیس ہزار میں اگر بیس پچیس مر بھی گئے تو اتنے یہاں بھی ہر سال مرتے ہیں مردم شماری دیکھ لی جائے کہ پچیس ہزار آدمیوں میں سے یہاں رہ کر کتنے مرتے ہیں اس سے اندازہ ہوجائے گا کہ سفر حج میں جو لوگ مرتے ہیں۔ ان کی تعداد معمول سے زیادہ نہیں ہوتی۔ پھر خواہ مخواہ لوگوں کو وہاں کی تکلیف بیان کرکے ڈرانا اور مناع خیر (۱) بننا یصدون عن سبیل اللّٰہ (۲) میں داخل ہے یا نہیں البتہ اگر کوئی عاقل حکیم شخص وہاں کی تکلیف کا تذکرہ حکمت سے کرے اس کو اس کی اجازت ہے کیونکہ اس کے بیان سے لوگ حج سے نہیں رکیں گے اس کا بیان کرنا اس غرض سے ہوگا کہ ان تکلیف کا اس طرح انتظام کرنا چاہیے۔ باقی غیر حکیم کے بیان سے لوگ رک جائیں گے۔ ہم نے دیکھا ہے ایسے بے وقوفوں کی وجہ سے بعض لوگ ایسے ڈرے ہوئے تھے کہ گویا ان کو یہ سمجھا دیا گیا تھا کہ تم یقیناً" مر ہی جاؤ گے..... افسوس! (۳)

---

(۱) خیر سے روکنے والا (۲) وہ روکتے ہیں اللہ کے راستے سے

(۳) احقر جامع وعظ عرض کرتا ہے کہ اس سال افسوس ہے کہ ہندوستان میں خلافت کمیٹی کے ممبروں نے قربانی گاؤ کی طرح حج سے بھی بہت لوگوں کو روکا۔ گویا یہ لوگ حج کے بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ لوگ بالکل یصدون عن سبیل اللّٰہ کے مصداق ہیں حالانکہ حج ایک بہت بڑا شعار اسلامی ہے اس مبارک بقعہ میں ہر سال حاجیوں کا جانا فرض کفایہ ہے۔ کسی سال میں اگر حج بالکل نہ ہو تو تمام عالم کے مسلمان گنہگار ہوں گے۔ اتنے بڑے شعار اسلامی سے روکنا اور اس کے بند کرنے میں سعی کرنا یہ کون سی حمایت اسلام ہے جس شخص پر حج فرض ہو اور وہ بلا حج کئے مر جائے اس پر سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے تو جن لوگوں کو خلافت کمیٹی کے ممبروں نے حج سے روکا ہے اگر ان کا خاتمہ برا ہو تو سارا وبال ان روکنے والوں کی گردن پر ہوگا۔ اور ایک فریضہ اسلام اور شعار الٰہی سے روکنے کی وجہ سے خود ان لوگوں پر بھی سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے اس سے توبہ کریں۔ ۱۲ ظفر احمد

قبولیت حج کی علامات :

یاد رکھیے! کہ حج کے مقبول ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ دوبارہ پھر وہاں جانے کا شوق دل میں پیدا ہو اور جو شخص وہاں سے آکر پھر دوبارہ جانے سے توبہ کرلے اندیشہ ہے کہ اس کا حج مقبول نہ ہوا ہو۔ اس لئے جہاں تک ہوسکے اس کی کوشش کرے کہ دل میں پھر دوبارہ حج کا شوق پیدا ہو۔ اس کی یہی تدبیر ہے کہ وہاں ثواب اور منافع اخروی پر نظر کرے اور یہ سمجھ لے کہ جنت میں جو درجات حج کی وجہ سے نصیب ہوں گے ان کے سامنے یہ تکلیف کیا ہیں۔ ان جیسی ہزار بھی کلفتیں ہوں تو کچھ نہیں۔

اور حج میں علاوہ ثواب آخرت کے دنیا کا بھی تو نفع ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ حج کے بعد ضرور رزق میں فراخی ہوجاتی ہے پھر وسعت اور فراخی رزق کے لئے لوگ کیسی کیسی مشقتیں برداشت کرتے ہیں اگر ذرا سی وہاں بھی تکلیف پیش آگئی تو اس کی وجہ سے پریشان ہونا اور دوسروں کو پریشان کرنا اور حج کی دولت سے محروم کرنا یہ کون سی عقل کی بات ہے۔

نیز حج سے اخلاق کی تہذیب(۱) پر خاص اثر پڑتا ہے اور اگر کوئی حاجی اس کے خلاف پایا جاوے تو وہ ایک عارض کے سبب سے ہے وہ یہ کہ علماء محققین نے لکھا ہے کہ حجر اسود میں کسوٹی کی خاصیت ہے۔ یعنی اس میں یہ خاصیت ہے کہ اس کے استلام(۲) کے بعد جیسا شخص ہوتا ہے وہ اپنی اصل خلقت میں ظاہر ہوجاتا ہے۔ بعض لوگ حج سے پہلے ظاہر نہیں ہوتے کہ یہ اندر سے کیسے ہیں۔ مگر حج کے بعد چھپا رہنا مشکل ہے، اصلی حالت ضرور کھل جاتی ہے۔ پس جس کی حالت حج کے بعد پہلے سے اچھی ہوجائے سمجھنا چاہیے کہ اس کا حج قبول ہوا اور جس کی حالت پہلے سے بھی بدتر ہوجائے اس کے حج قبول نہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

شاید اس سے بعض لوگ یہ خیال کریں کہ پھر حج نہ کرنا چاہئے تاکہ قلعی نہ کھلے اس کا جواب یہ ہے کہ حج نہ کرنے میں اس سے زیادہ اندیشہ ہے جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہوا اور وہ پھر بھی نہ کرے تو خدا کو پرواہ نہیں ہے خواہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ پس اگر حج

---

(۱) درستگی (۲) حجر اسود کو بوسہ دینا یا اس کی طرف اشارہ کرکے چومنا

نہ کیا۔ تب تو سوء خاتمہ (۱) کا اندیشہ زیادہ ہے اور حج کرنے میں تو صرف یہی اندیشہ ہے کہ قلعی کھل جائے گی۔ وہ بھی اس وقت جبکہ اس کے آداب و شرائط کا لحاظ نہ کیا جائے ورنہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ شوق اور محبت کے ساتھ جو حج ادا کیا جاتا ہے اس سے دینداری میں ترقی ہی ہوجاتی ہے پس یہ اشکال فضول ہے۔

حج ضرور کرنا چاہئے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس کے آداب و شرائط کا پورا لحاظ کرنا چاہئے اور جو شخص حج میں احتیاط نہیں کرتا اس کی ایسی مثال ہے جیسے بیمار بدپرہیزی کرتا ہے اور جو احتیاط کے ساتھ حج کرتا ہے اس کی ایسی مثال جیسے کسی بیمار کو تنقیہ (۲) و ازالہ کی ضرورت ہے اور وہ پوری تدبیر پر عمل کرتا ہے اور پورا پرہیز کرتا ہے اور اسی سے سب مواد رذیلہ (۳) کا تنقیہ ہوجاتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حج کے بعد پھر علاج کی اور تدبیر کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ جس طرح مسہل (۴) کے بعد ہی تو آئندہ مواد خبیثہ کا پیدا نہ ہونے دینے کی اور جو تھوڑا بہت پیدا ہوجائے اس کے تنقیہ کی ضرورت رہتی ہے۔

حج سے اصلاحِ نفس :

اسی طرح یہاں سمجھئے کہ حج کے بعد بھی ہمیشہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ مگر حج میں احتیاط ہونا اسی وقت ممکن ہے جب حج سے پہلے نفس کی اصلاح کرلی جائے۔ ورنہ بالخصوص جھگڑے اور فساد کی تو ضرور ہی نوبت آجائے گی۔ نیز نماز وغیرہ میں بھی ممکن ہے کہ سفر کی وجہ سے سستی ہوجائے اس لئے اس کی ضرورت ہے کہ حج سے پہلے اصلاح نفس کا اہتمام کیا جائے۔ مگر یہ سمجھ لو کہ نفس کی اصلاح خود اپنے آپ نہیں ہوسکتی۔ اپنی عقل اور فہم اس کے لئے کافی نہیں ہوسکتی کسی مربی کامل سے اس کا طریقہ پوچھو۔

کشتن این کار عقل و ہوش نیست
شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست۔

---

(۱) برے انجام (۲) صفائی (۳) گندا مواد (۴) دست لانے والی دوا

(نفس کو مغلوب کرنا عقل و ہوش کا کام نہیں کوئی خرگوش کسی تیز کا شکار کب کر سکتا ہے)

کسی کو اپنی عقل پر گھمنڈ(۱) نہ کرنا چاہئے۔ اس میں ضرورت ہے عنایت حق و عنایات خاصان حق کی۔

بے عنایات حق و خاصان حق　　گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(بے عنایت حق اور خاصان حق(۲) اگر فرشتہ بھی ہوجاؤ تو نامہ اعمال سیاہ ہی رہے گا)

طریق اصلاح میں اس کے بغیر کامیابی نہیں ہوسکتی اپنے آپ کو خاصان حق کے سپرد کردو اور ان کا اتباع اختیار کرو۔

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ　　جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(فہم و عقل تیز کرنے سے یہ راستہ طے نہیں ہوتا حق تعالی کا فضل تو عاجزی و شکستگی اور فنائیت کا خریدار ہے)

اس میں اپنے ارادہ اور اختیار کے فنا کرنے کی ضرورت ہے پستی و شکستگی کی حاجت ہے۔

ہر کجا پستی است آب آنجارود　　ہر کجا مشکل جواب آنجارود

(جہاں پستی ہوتی ہے پانی وہاں ہی پہنچتا ہے جہاں مشکل ہوتی ہے وہاں ہی جواب پہنچتا ہے)

ہر کجا دردے دوا آنجارود　　ہر کجا رنجے شفا آنجارود

(جہاں درد ہوتا ہے دوا وہاں ہی پہنچتی ہے جہاں مرض ہوتا ہے وہاں ہی شفا پہنچتی ہے)

طلب اور درد اور شکستگی حاصل کرنا چاہئے۔ اب تو یہ حال ہے کہ جو بزرگ سمجھے جاتے ہیں شکستگی ان میں بھی نہیں۔

ایک صاحب کی حکایت یاد آئی جو ظاہر میں بزرگ اور نیک سب کچھ تھے۔ ایک بار وہ یہاں جمعہ کے روز آئے وعظ میں شریک ہوئے مکان ان کا اتنی نزدیک تھا کہ بعد وعظ کے جاتے تو شام تک پہنچ جاتے' چنانچہ اکثر لوگ وعظ سن کر چلے بھی جاتے تھے ان کے ایک عزیز نے اس احتمال سے ان سے پوچھ لیا کہ اگر شام کو یہاں قیام ہو تو میں کھانے کا انتظام کروں بس بزرگ صاحب کہاں تھے خفا ہوگئے یہ بھی کوئی تہذیب ہے

---

(۱) ناز　(۲) اہل اللہ

کہ آپ ہم سے پوچھتے ہیں کہ کھانے کا انتظام کیا جاوے یا نہیں۔ تم کو کھانا تیار کرنا چاہئے تھا' پھر چاہے ہم ٹھہریں یا نہ ٹھہریں۔ خدا کی پناہ اس تکبر کی بھی کوئی انتہا ہے کہ آپ سے بلا پوچھے ہی کھانا تیار کیا جاوے پھر اگر بعد میں آپ نے کہہ دیا کہ ہم جاتے ہیں تو اس غریب کا سارا پکا پکایا کھانا برباد جائے۔ غرض یہ طرارے(۱) یہیں چھوڑ دو۔ حج میں تو سب اپنے کملات کو گم کر دینا چاہئے۔

عورتوں پر اور بھی تعجب ہے یہ مردوں سے بھی زیادہ حج کا ارادہ کرکے اپنے کو بڑا سمجھنے لگتی ہیں بلکہ آجکل عموماً" ویسے بھی عورتوں میں بڑائی کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ بعض دفعہ تو یہ مردوں سے خوشامد کراتی ہیں ان کو شرم اور غیرت بھی نہیں آتی کہ مرد رات دن جان کھپا کر ان کے واسطے کما کر لاتے ہیں کیا مردوں کی عنایت(۲) کا یہی نتیجہ ہے کہ یہ مردوں کے سر چڑہیں میں سچ کہتا ہوں کہ اگر عورتیں ذرا صبرو تحمل سے کام کیا کریں تو ان کو مردوں سے زیادہ ثواب ملے کیونکہ یہ ضعیف اور کمزور ہیں ضعفاء کا تھوڑا سا عمل بھی قوی آدمی کے بہت سے اعمال سے بعض دفعہ بڑھ جاتا ہے مگر عورتوں میں جس قدر ضعف ہے یہ اسی قدر مردوں پر شیر ہوتی ہیں اور یہ مردوں کا تحمل ہے کہ ان کو سر چڑھا لاتے ہیں ورنہ ان کے سامنے عورتوں کی حقیقت ہی کیا ہے۔ اگر مرد کو غصہ آجائے تو ایک دنؓ میں ان کو درست کر سکتا ہے۔ چنانچہ سخت مزاج لوگ ایسا بھی کرلیتے ہیں۔ بزرگوں نے نقل کیا ہے یغلبن العاقل و یغلبهن الجاهل (کہ عاقل مرد پر تو عورتیں غالب ہوجاتی ہیں مگر جاہل مرد ان پر غالب ہوتا ہے۔) اس کا راز یہی ہے کہ عاقل تحمل سے کام لیتا ہے اور جاہل تحمل نہیں کرتا۔ اس لئے جاہلوں سے یہ خوب درست ہوجاتی ہیں۔ بہرحال عورتوں کو تکبر کرنا بہت نازیبا ہے' ان کو حج میں طرارے سے کام لینا نہ چاہئے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ قبل حج ہی اپنے ملکات(۳) رذیلہ کو نکالو اور نفس کی اصلاح کرو۔

---

(۱) اکڑفوں (۲) مہربانی (۳) بری عادات

اب یہ سوال باقی رہا کہ اب تو حج کو جارہے ہیں اب قبل حج یہ مسہل(۱) کیسے ہو تو میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ قبل حج کامل بن جائیں کیونکہ کمل ایک دن یا ایک ہفتہ میں حاصل ہونا عادۃً" دشوار ہے۔

صوفی نہ نشود صافی تادر نکشد جامے
بسیار سفر باید تاپختہ شود خامے

(صوفی پاک و صاف نہیں ہوتا ہے جب تک محبت کا جام نہ پئے گا بہت مجاہدات کے بعد خامی پختگی سے تبدیل ہوگی)

میرا مقصود یہ ہے کہ اس وقت سے اس کی فکر میں تو لگ جائے وہ بھی اثر میں مثل اصلاح ہی کے ہے۔ جیسا قرآن مجید میں حکم نازل ہوا۔ اتقوا اللہ حق تقاتہ کہ خدا تعالیٰ سے ایسا ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے تو صحابہ کرام گھبرا گئے اور گھبرا کیوں گئے۔ میرا ذوق یہ کہتا ہے کہ وہ اس واسطے گھبرا گئے کہ صیغۂ امر اصل میں موضوع (۲) ہے وجوب کے لئے اور اگرچہ مطلق امر کے واسطے فور(۳) ضروری نہیں مگر فور متبادر(۴) ضرور ہے۔ ہاں اگر وہ فعل یقینی طور پر تدریجی(۵) ہو تو وہاں فور متبادر نہیں ہوتا ورنہ عموماً" امر سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ یہ کام ابھی فوراً" کیا جائے۔ پس فاتقوا اللہ حق تقاتہ سے صحابہ یہ سمجھے کہ ہم کو اسی وقت کامل تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔ اس لئے گھبرا گئے تو پھر یہ حکم نازل ہوا۔

فاتقوا اللہ ما استطعتم کہ جتنا مرتبہ تقویٰ کا اس وقت ہو سکے اتنا اس وقت اختیار کرلو۔ اس میں کوتاہی نہ کرو۔ پھر بتدریج دوسرے مراتب میں بقدر استطاعت(۶) ترقی کرتے رہو۔

پس یہ آیت پہلے حکم کے لئے محققین کے نزدیک ناسخ نہیں۔ بلکہ اس کا بیان ہے یعنی مطلوب تو وہی ہے کہ کامل تقویٰ اختیار کرو۔ مگر اس کا طریقہ یہ ہے کہ اول اول جتنا ہو سکے اس کو پورا کرو اس میں کوتاہی نہ کرو۔ پھر آہستہ آہستہ ترقی ہوتی جائے گی اور ایک دن ایسا بھی ہوگا کہ تم کامل متقی بن جاؤ گے اور یہ بتدریج اعمال تقویٰ کے

---

(۱) دست لانے والی دوا (۲) بنایا گیا (۳) فوری حکم پر عمل کرنا (۴) ذہن میں جلدی سے آنے والا (۵) درجہ بدرجہ (۶) اپنی طاقت کے مطابق

اعتبار سے نہیں وہ تو ایک دم سے واجب العمل ہیں بلکہ ضعف و قوت مراتب کے اعتبار سے ہے ہے اب اس اشکال کا جواب ہوگیا۔ یعنی اسی وقت سے ان ملکات رذیلہ(۱) کے ازالہ(۲) کی فکر شروع کردو بے فکری میں مت رہو۔ اس وقت اگر آپ کے قبضہ میں یہ بات نہیں ہے کہ ملکات رذیلہ کو بالکل زائل کردیں تو یہ بات تو اختیار میں ہے کہ اس کے مقتضاء(۳) پر عمل نہ کرو۔ جب بار بار نفس کے تقاضوں کے خلاف عمل کیا جائے گا تو اس کی عادت پڑ جائے گی اور ضبط کی عادت سے ملکات رذیلہ کی قوت مضمحل(۴) ہوجائے گی اور اضمحلال سے پھر ان میں اتنی کمزوری ہوجائے گی کہ گویا وہ ملکات(۵) ہیں ہی نہیں اسی طرح سے آپ ان شاء اللہ کامل ہوجائیں گے اور اخلاق رذیلہ کی بجائے آپ میں ملکات فاضلہ(۶) پیدا ہوں گے

لہٰذا حج کے سفر میں فکر اور سعی (۷) ضرور شروع کر دیجئے۔ جب آپ نے اس نیت سے فکر شروع کر دی تو آپ بھی انہی لوگوں میں شمار ہوں گے جو کامل متقی ہیں کیونکہ اہل کمال بھی اسی طرح اہل کمال بنے ہیں۔ ایک دن میں کوئی کامل نہیں ہوگیا۔

حج مردانہ :

دوسرے یہ کہ کمال کسی کے اختیار میں بھی نہیں ہے اور نہ انسان اس کا مکلف ہے۔ انسان کا کام طلب اور فکر اور سعی ہے اگر طلب کے ساتھ ساری عمر بھی ناقص رہے تو وہ ان شاء اللہ کاملین ہی کے برابر ہوگا۔

بلکہ ممکن ہے کہ بعض باتوں میں کاملین سے بھی بڑھ جائے یعنی مشقت کے ثواب میں کیونکہ کاملین کو نفس کی مخالفت گراں نہیں ہوتی اور مبتدی کو زیادہ مشقت پیش آتی ہے تو مشقت کا ثواب اس کو زیادہ ہوتا ہے۔

دلیل اس کی یہ حدیث ہے والذی یتعتع فیہ و ھو علیہ شاق لہٗ اجران حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص ماہر قرآن ہے وہ کراماً کاتبین کے ساتھ ہوگا اور جو شخص اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس پر

---

(۱) بری عادتوں (۲) ختم کرنے (۳) تقاضے (۴) کمزور (۵) عادتیں (۶) اچھی عادتیں (۷) کوشش

شاق ہوتا ہے اس کے لئے دوہرا ثواب ہے پس اس مشقت کے ثواب میں ناقص کامل سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ اگرچہ دوسرے فضائل میں کامل بڑھا ہوا ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کیا حال گذرا فرمایا کہ مغفرت ہوگئی درجات ملے مگر ہمارا ایک پڑوسی تھا جو ہم سے کم عمل کرتا وہ ہم سے بڑھا ہوا رہا کیونکہ وہ صاحب عیال تھا۔ بال بچوں کی پرورش میں اس کو زیادہ اعمال کا موقعہ نہ ملتا تھا۔ مگر وہ ہمیشہ اسی دھن(۱) میں رہتا تھا کہ اگر مجھے فراغت نصیب ہو تو خدا کی یاد میں مشغول رہوں وہ اپنی مشقت اور نیت کی وجہ سے ہم سے بڑھ گیا۔ بس اس طریق میں فکر اور دھن بڑی چیز ہے اسی سے سب کام بن جاتے ہیں۔ ۔

اندریں رہ می تراش و می خراش تادم آخر دمے فارغ مباش(۲)

میرے ایک دوست نے ایک منظوم خط لکھا جس میں اس کی شکایت تھی کہ میں کام شروع کرتا ہوں پھر چھوٹ جاتا ہے پھراز سرنو جوڑتا ہوں پھر نظام ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے غرض ایک طویل نظم میں اپنی پریشانی لکھی تھی۔ اور وہ نظم مثنوی کی بحر میں تھی میرا جی چاہا کہ ان کو نظم ہی میں اور اسی وزن میں جواب دوں اس وقت یہ شعر ذہن میں آیا۔

دوست دارد دوست ایں آشفتگی کوشش بے ہودہ بہ از خفتگی(۳)

اور یہی حاصل ہے ان اشعار کا۔

اندریں رہ می تراش و می خراش تادم آخر دمے فارغ مباش

تادم آخر دمے آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سربود (۴)

بس فکر اور دھن میں لگا رہنا چاہئے۔ ان شاء اللہ پھر آپ کا کام مردانہ ہوجائے گا جس

---

(۱) فکر (۲) اس راہ میں تراش و خراش کی فکر میں لگے رہو اور آخری سانس تک اپنی اصلاح سے فارغ نہ رہو۔ (۳) حق تعالیٰ اصلاح کے فکر اور عاجزی اور تمہاری پریشاں حالی کو محبوب رکھتے ہیں اس لئے جس طرح بھی ہوسکے کوشش کئے جاؤ ناکام کوشش بھی بالکل سو رہنے سے بہتر ہے۔

(۴) کوشش میں لگے رہو ایک دن ضرور ایسا وقت آئے گا مرنے سے پہلے آئے گا کہ کامیاب ہوجاؤ گے حق تعالیٰ کی نظر عنایت سے۔

کو مولانا فرماتے ہیں ۔۔

حج زیارت کردن خانہ بود   حج رب البیت مردانہ بود(۱)

حج رب البیت

اور یہ حج رب البیت ہر شخص پر فرض ہے گو حج البیت بھی اس شخص پر فرض نہ ہو۔ کیونکہ حج رب البیت کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف چلنا اس کی طلب اور دھن میں لگنا سو اس کے لئے کعبہ اور مکہ بھی شرط نہیں اسی کو عارف مسعود بک فرماتے ہیں۔۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید   معشوق دریں جاست بیائید بیائید(۲)

مگر قوم بحج رفتہ سے مراد سب حجاج نہیں ہیں۔ بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن پر حج فرض نہیں اور ابھی تک انہوں نے نفس کی اصلاح بھی نہیں کی۔ اور حج کو جانے سے ان کو بعض دینی مضرتیں پہنچنا بھی محتمل ہے ان کو خطاب فرماتے ہیں کہ تم پر حج تو فرض ہے نہیں اور نفس کی اصلاح فرض ہے تم حج کرنے کہاں چلے تم کو پہلے شیخ کی صحبت میں رہنا چاہئے۔ تمہارا مطلوب یہاں ہے اور جن پر حج فرض ہے ان کو یہ خطاب نہیں ہو سکتا۔ وہ ترک حج کے گناہ کی وجہ سے کمال سے رہ جائے گا۔ کمال یہی ہے کہ جس وقت جو حکم ہو اس کو پورا کیا جائے تو جس پر حج فرض ہے اس کو حج ضرور کرنا چاہئے پھر کسی شیخ کی صحبت میں وہاں سے آکر رہے لیکن حج کے ساتھ جن احکام کا شریعت نے حکم کیا ہے ان کو بجا لانا بھی ہر حاجی کے ذمہ فرض ہے پس اگر وہ حج سے پہلے کامل نہیں بن سکتے تو کم از کم فکر اور سعی تو ابھی سے شروع کردیں۔ اس طریقہ سے امید ہے کہ ان شاء اللہ اجر میں کاملین کے برابر ہوجاویں گے۔

لیجئے اب تو بہت سہل نسخہ معلوم ہوگیا۔ اب بھی اگر کوئی اپنے حج کو کامل نہ کرے تو وہ جانے۔ اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو فہم کی توفیق دے۔ اے اللہ! سب

---

(۱) حج نام ہے خانہ کعبہ کی زیارت کا مگر صاحب خانہ کی زیارت عباد خاص کو عطا ہوتی ہے۔ (۲) اے قوم جو نفلی حج کے لئے کعبہ شریف گئے ہو، تم کسی اللہ والے سے اپنے نفس کی اصلاح جو فرض عین ہے کرالو تو یہیں واصل باللہ ہوجاؤ۔

حجاج کو حج مردانہ نصیب فرمایئے اور سب کی کوشش مقبول ہو اور ان کے لئے اس حج
کو آئندہ اصلاح اور کمال کا ذریعہ دیجئے' آمین
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد سیدالمرسلین وعلیٰ آلہٖ
واصحابہ اجمعین وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین

سفر حج' میں گونہ مشقت اور تکلیف کا ہونا ضروری ہے۔ دل میں اگر شوق اور محبت ہو تو پھر کوئی تکلیف تکلیف نہیں رہتی اور جہاں بیت اللہ پر نظر پڑی اسی وقت سب کلفت رفع ہوجاتی ہے' اس وقت یاد بھی نہیں آتا کہ اس سے پہلے کیا کیا پیش آیا تھا بس وہ حال ہوتا ہے جو جنت میں پہنچ کر جنتیوں کا ہوگا۔

الحمدللہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور الذی احلنا دارالمقامتہ من فضلہ لا یمسنا فیھا نصب ولا یمسنا فیھا لغوب

خدا تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہم سے رنج و غم کو دور کردیا بیشک ہمارا خدا بڑا بخشنے والا قدر دان ہے جس نے ہم کو ٹھکانے کے گھر میں پہنچادیا اپنے فضل سے جس میں نہ ہم کو کوئی مشقت معلوم ہوتی ہے نہ کچھ تھکن محسوس ہوتی ہے

(فاطر آیت ۳۴)